نوائے وقت
ماہنامہ
پھول
لاہور
جنوری 1991ء
نیا سال
بہاریں کے آئے
مری سرزمین پہ چھائے
اِس شمارے کے ساتھ
نئے سال کا خوبصورت کیلنڈر
بالکل مفت

ماہنامہ
پھول
چیف ایڈیٹر مجید نظامی
نگران
ایڈیٹر..... اختر عباس
سب ایڈیٹر...... نعیم بلوچ
آرٹسٹ... رمان منہاس تنویر شمسی
پتہ:
ماہنامہ پھول - 4 شارع فاطمہ جناح لاہور فون 4 - 302050
عام ڈاک سے) = 230 روپے
) = 270 روپے
عام ڈاک سے) = 300 روپے
جلد 1 شمارہ 5
مجید نظامی پرنٹر پبلشر نے ندائے ملت پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا۔
جنوری

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نئے سال کے پہلے شمارے کا اداریہ لکھتے ہوئے میرے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ دعائیہ ہے۔ ہر حرف اور ہر جملے میں وطن اور اہل وطن کیلئے محبت اور پیار بھری آرزوئیں ہیں۔ ہر خواہش میں اچھے مستقبل کی آس مٹھاس ہے۔

اپنے پیارے اور رحیم و کریم رب سے دعا ہے کہ آنے والا ہر لمحہ ہمارے عزیز وطن اور اس سے محبت کرنے والے ہر فرد کیلئے ترقی اور صحت کا لمحہ ہو۔

پھول سے پیار کرنے اور پسند کرنے والے ساتھیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر ماہ بڑھ رہی ہے۔ پورے ملک سے موصول ہونے والے سینکڑوں خطوط نے بے شک اچھی خاصی مصروفیت بڑھا دی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ ان خطوط کو دیکھ کر اور پھر پڑھ کر بے حساب خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ان خطوط کو لکھنے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ خط ملتے ہی فوراً اگلے شمارے میں چھاپ دیا جائے۔ اور انہیں جو شمارہ ملے اس میں ان کے نام اور تحریر کی خوشبو بھی رچی بسی ہو۔ پھول میں آپ کی دلچسپیوں نے کہانیوں، نظموں، لطائف، انعامی مقابلے اور تصویری کہانی کی صورت میں سو سو عنوان تراشے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ کا خط یا تحریر چھپنے میں ذرا دیر ہو جائے تو روٹھنے کی دھمکی تو نہ دیا کریں نا!

آپ کے ایڈیٹر بھیا

کارٹون کہانی

دوست کی تلاش

لاتوں کے بھوت
سجاد جہانیہ

ننھا مجاہد
کاشان جعفری

جب سسلی فتح ہوا
پروفیسر فروغ احمد

تاریخ کا پیریڈ
نعیم بلوچ

انوکھی سالگرہ
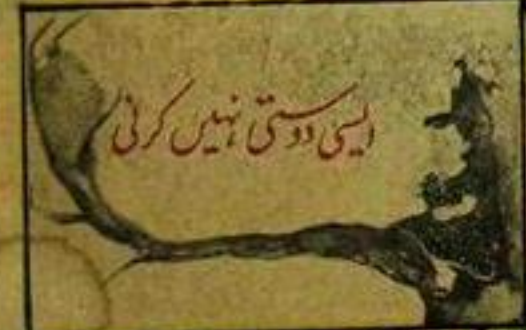
گزر گیا اک سال

ہنستے گاتے
دیکھ ! ارے ساتھی
گزر گیا اک سال
یادوں کا اک ڈھیر لگا ہے
اپنا ماضی کتنا بھلا ہے
کیا کچھ دیکھو اس میں سجا ہے
بہتر ہے ماضی سے حال
ہنستے گاتے
دیکھ ! ارے ساتھی
گزر گیا اک سال
آنے والے دن کی باتیں
باتیں ہیں یا ہیں سوغاتیں
جگ مگ جگ مگ چاندنی راتیں
ان باتوں کا ہے خیال
ہنستے گاتے
دیکھ ! ارے ساتھی
گزر گیا اک سال

شریف کمال عثمانی
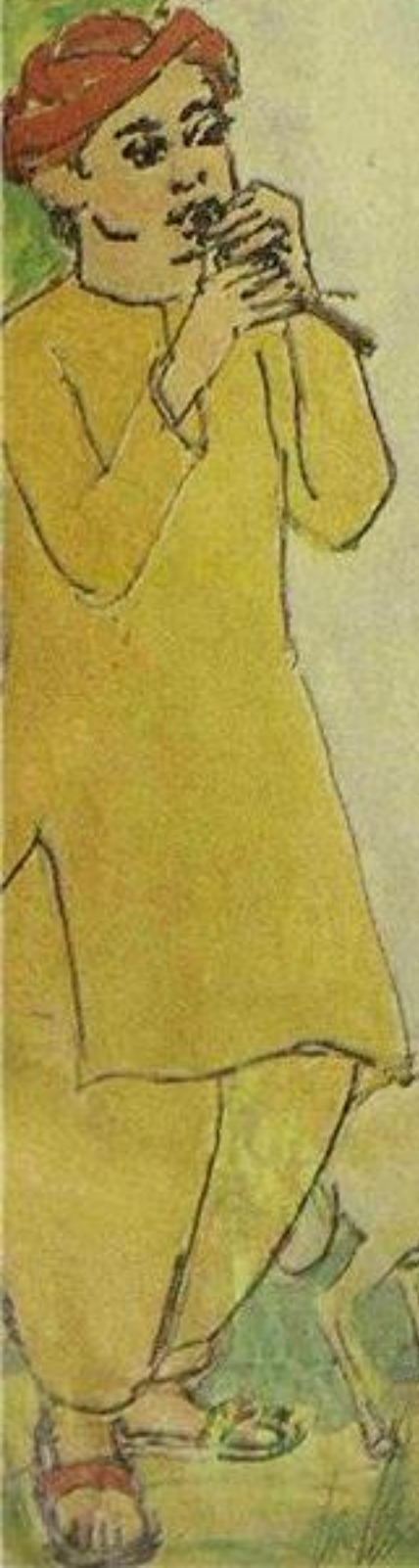
انوکھی سالگرہ

محمد افتخار کھوکھر

کامران کی سالگرہ کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں سالگرہ میں ابھی ایک ہفتہ باقی تھا لیکن کامران ابھی سے اپنے دوستوں میں دعوت نامے تقسیم کر رہا تھا اور ہر ایک سے اس تقریب میں لازماً شریک ہونے کے وعدے لے رہا تھا۔

سالگرہ سے ایک دن پہلے کامران اپنے بہت ہی گہرے دوست راشد کو اس تقریب کے پیشگی انتظامات کے لئے بلانے اس کے گھر گیا تو راشد کی امی نے بتایا کہ وہ تو امدادی کیمپ میں گیا ہوا ہے۔

"کون سا امدادی کیمپ؟" کامران نے بے چینی سے پوچھا۔

"کامران بیٹے! ہمارے ملک کے شمالی علاقے میں جو تباہ کن زلزلہ آیا ہے اس سے ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے ہیں۔ زلزلے نے ان کا سب کچھ تباہ و برباد کر دیا ہے اور اب وہ کھلے آسمان تلے بے یار و مدد گار پڑے ہیں۔ ان بے گھر لوگوں کی مدد کے لئے شہر میں قائم ہونے والے امدادی کیمپ میں لوگوں سے نقد رقوم کپڑے اور کھانے پینے کا سامان جمع کر کے متاثرین زلزلہ کو بھجوایا جا رہا ہے۔ راشد تمہیں وہیں امدادی کیمپ میں مل جائے گا۔ راشد کی امی نے تفصیل سے بتایا۔

کامران اور راشد کی دوستی بڑی گہری تھی اس لئے وہ گھر جانے کی بجائے راشد کو ملنے امدادی کیمپ کی طرف چل دیا۔ کیمپ میں پہنچ کر کامران کو پتہ چلا کہ راشد متاثرین زلزلہ کیلئے سامان ٹرک میں لدوانے گیا ہوا ہے اور تھوڑی دیر میں آنے والا ہے۔ کامران نے سوچا کہ تھوڑی دیر انتظار کر لینے میں کیا ہرج ہے۔ انتظار کے دوران اس کی نظر امدادی کیمپ پر لگے ہوئے بڑے سے بینر پر پڑی جس پر لکھا تھا "مسلمان وہ ہے جو مصیبت کے وقت اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے کام آئے (حدیث نبویؐ)" بینر پر لکھی ہوئی عبارت ہوا میں لہرا رہی تھی اور کامران کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ہوا کی لہر اس کے سوئے ہوئے دل کو دکھی لوگوں کی مدد کرنے کے لئے بیدار کر رہی ہے۔

کامران نجانے کب تک بینر کی عبارت میں کھویا رہتا کہ اس کے کانوں سے ایک مانوس سی آواز ٹکرائی۔

باقی صفحہ 44 پر

فتح

□□ اعجاز احمد

ایک دن جنگل کا سکون غارت ہو گیا اس جنگل میں رہنے والے ایک ہاتھی نے اس جنگل کے پر سکون ماحول کو درہم برہم کر دیا۔ ہوا یہ کہ اس ہاتھی کے دل میں اپنی طاقت کا غرور بھر گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ جنگل کا سب سے طاقتور جانور ہے باقی جانوروں کو اس سے دب کر رہنا چاہئے یہ سوچتے ہی وہ اچھلنے کودنے لگا اس نے ہری ہری گھاس کو کچل دیا پھولوں کی کیاریوں کو روند ڈالا کئی چھوٹے بڑے درخت اپنی سونڈ میں لپیٹ کر جڑوں سے اکھاڑ پھینک دیئے اور جو بھی جانور نظر آیا اس کا پیچھا کر کے اسے اپنے وزنی پاؤں تلے روند ڈالا اور کسی کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر دور پھینک کر موت کے گھاٹ اتار دیا دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جنگل میں ہنگامہ مچا دیا بیچارے چھوٹے بڑے جانور اس کے ڈر سے اپنے اپنے بلوں گھروندوں اور کچھاروں سے نکل کر دور دور بھاگنے لگے۔

جنگل کے کچھ جانوروں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کی بات ماننے اور کسی کی نصیحت سننے پر آمادہ نہ ہوا اور پھر جانوروں نے اسے کہنا ہی بند کر دیا اور جنگل کا ہر جانور دل سے اس ہاتھی سے نفرت کرنے لگا لیکن وہ سب مجبور تھے وہ کمزور تھے اور ہاتھی طاقتور تھا کمزور جانور اس ہاتھی کو ظلم کرنے سے باز نہ رکھ سکے وہ اپنی جان بچانے کو ہی غنیمت سمجھتے۔

باقی صفحہ 45 پر

بھیڑیے رے بھیڑیے ..

ذاکر حبیب

ایک انسانی بچے کو بھیڑیا اٹھا کر دور کسی جنگل میں لے گیا اور چیر پھاڑ کے کھا جانے کی بجائے اس نے اس کی پرورش اپنے بچوں کی طرح کی۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا۔ ایک شکاری ٹیم کو وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ بھیڑیوں کے غول میں ایک انسانی بچہ بڑا ہو چکا ہے۔ انہوں نے اس کو واپس لے جانے کی بھرپور کوشش کی اور بالآخر کسی نہ کسی طرح اس بھیڑیا نما انسان کو رسیوں سے باندھ لیا۔ یہ تمام واقعات اس وقت ہوئے جب مادہ بھیڑیا شکار کی تلاش میں کہیں گئی ہوئی تھی۔ شکاری ٹیم اس بندھے ہوئے بھیڑیا نما انسان لے کر چلنے ہی والی تھی کہ مادہ بھیڑیا آپہنچی اور چیخنے چلانے اور فریاد کرنے کے بعد جب کچھ حاصل نہ ہو سکا تو باقاعدہ بلند آواز میں رونے لگی۔ ان تمام باتوں سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ مادہ بھیڑیا نے چونکہ اس کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا' لہٰذا اس میں ماتا کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ غرض یہ کہ اس بھیڑیا نما انسان کو شہر میں لا کر بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس میں تمام بھیڑیوں والی حرکات و سکنات پیدا ہو چکی تھیں اور جسمانی تبدیلیاں بھی کسی حد تک پیدا ہو چکی تھیں۔ یعنی بھیڑیوں کی طرح جسم پر زیادہ بال' غراتا' جھپٹنا اور اس کی طرح مخصوص آواز نکالنا جس کو جاننے کے لئے بہت سے ڈاکٹروں' ماہر نفسیات لوگوں کی مدد لی گئی۔

اس کہانی کا جو بھی انجام ہوا لیکن اس چیز نے ہمیں بھیڑیے کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین کر دیا اور پھر پچھلے دنوں بڑے بھیا نے ہمیں پاس ہونے کی خوشی میں مووی بھی دکھائی۔ جس کا تعلق بھی بھیڑیوں سے تھا جس میں بھیڑیے کا شکار کرنے کا سٹائل اور اس کی چستی چالاکی نے ہمیں بہت متاثر کیا اور ہم نے وہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیا کہ "بھائی بھیڑیا" کے بارے میں اپنی معلومات میں ضرور اضافہ کریں گے اس سلسلے میں ہم نے کئی اور جانوروں کا چلتے پھرتے مشاہدہ بھی کیا تو دیکھا کہ کتے میں بھیڑیے جیسی مشابہت پائی جاتی ہے۔ دوسرے کئی اور انداز بھی اس کے بھیڑیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھیڑیے کی اصلیت جاننے کے لئے بہت سی کتابیں خریدیں۔ بھیڑیے جن کے متعلق عام طور پر خیال کیا ہے کہ یہ پالتو کتوں کے ہی آبائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، کسی زمانہ میں یورپ' شمالی امریکہ اور ایشیا کے اکثر علاقوں میں کثرت سے پائے جاتے تھے اور ان کی تعداد زمین پر پائے جانے والے تھن والے جانوروں میں سب سے زیادہ تھی۔ اب بھیڑیوں کی صرف دو نمایاں قسمیں رہ گئی ہیں۔ ایک تو

بھیڑیے جیسے کہ اب بھی شمالی یورپ، ایشیا اور شمالی امریکہ میں پائے جاتے اور دوسرے سرخ رنگ کے بھیڑیئے جو جنوبی وسطی ریاستہائے امریکہ کے جنگلات تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ بالعموم ان کے سر بڑے، بصری ایستادہ کان، لمبی تھوتھنی، مضبوط چھ سات دانت والے جبڑے، ان کی ٹانگیں لمبی، اگلے پاؤں میں پانچ کھر والے پنجے، پچھلے پاؤں میں چار کھر والے پنجے نہایت سخت گیر ہوتے ہیں۔ غصے کی حالت میں بھیڑیئے کی گردن کے پچھلے حصے کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح گھوڑے کے بال یا شیر کی گردن کے بال۔ اس کی شناخت کے لئے اس کی دم کے سرے پر کھوج لگانے والی کلغی ہوتی ہے۔

گروہ کے ساتھ شکار کے لئے ذہانت اور باہمی تعاون بہت ضروری ہے۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں بھیڑیوں سے زیادہ اس خوبی کا مالک کوئی نہیں۔ بھیڑیوں کا گروہ مضبوط قد و قامت کے ہرنوں کی ڈار کو بڑی مہارت سے منتشر کر دیتا ہے اور اس طرح بدحواس بھاگتے ہوئے ہرن کو زخمی کر کے اپنے دانتوں کا نوالہ بنانے میں ثانی نہیں رکھتے۔

بھیڑیا بے رحم اور خوفناک گوشت خور جانور ہے۔ یہ کھلے میدانوں اور جنگلوں میں رہتا ہے۔ یہ دن میں شکار کرتا ہے اور رات کو پہاڑی کھائیوں، گرے ہوئے درختوں اور اندھیرے بھٹوں میں قیام کرتا ہے۔ ایک بڑا قد آور بھیڑیا اپنے سے بڑے ہرن کو مار گراتا ہے اور گروہ کے ساتھ مل کر بڑے بڑے ہرن اور بارہ سنگھے وغیرہ کا شکار کر لیتا ہے۔ اگرچہ یہ جانور عام طور سے 22 سے چوبیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے لیکن یہ میلوں تک کا فاصلہ چھلانگ لگاتے ہوئے رات میں بھی طے کر لیتا ہے اور اپنے شکار پر تیز رفتاری کے باعث غالب آجاتا ہے یہ بہت دور دور تک سفر کرتا ہے۔ یہ اچھا تیراک بھی ہے اور ضرورت پڑنے پر پانی میں گھس کر بھی ہرن کو دبوچ لیتا ہے۔

بھیڑیے دیکھنے میں جتنے معصوم ہوتے ہیں حقیقت میں اتنے نہیں ہوتے

ملاقات کہانی

انٹرویو

بچپن میں ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ بڑا ہو کر بڑا آدمی بن جائے۔ یہی دعا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈھیر ساری عزت اور شہرت دے اور جب سالوں کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ زندگی کی کامیابیاں عطا کرتا ہے تو کامیابی کے ان لمحوں میں بچپن اور بچپن میں دیکھے ہوئے خواب ضرور یاد آتے ہیں اور نہ صرف یاد آتے ہیں بلکہ خوشی کا ایک عجیب احساس ساتھ لاتے ہیں۔

بچپن کے انہی خوشگوار سالوں کی یادوں کو تازہ کرنے کے لئے ہم نے محترم احمد ندیم قاسمی سے ایک صبح ان کے دفتر میں انٹرویو کیا۔

ان کی زندگی کے بیتے دنوں کے ذکر کو چھیڑا۔ ان جگہوں اور لوگوں سے تذکرے کو تازہ کیا جنھوں نے انہیں علم و ادب سے دوستی کی راہ دکھائی اور راہنمائی دی۔

ایڈیٹر

احمد ندیم قاسمی

انٹرویو کا آغاز کسی باقاعدہ سوال سے کرنے کی بجائے میں نے محترم احمد ندیم قاسمی صاحب سے پوچھا آپ کو شاید وہ لمحہ وہ دن یاد ہو جب پہلی بار یہ احساس ہوا ہو کہ بچپن رخصت ہو گیا؟

وہ مسکرا دیئے۔ بھئی اس کی حد بندی نہیں ہو سکتی کہ کون سا لمحہ بچپن کا آخری تھا۔

ویسے ایک بات تو طے شدہ ہے کہ خوشگوار دنوں کا جب بھی تذکرہ کیا جاتا ہے ہمیشہ بچپن کا ہی حوالہ آتا ہے۔ میں نے بات آگے بڑھائی قاسمی صاحب نے عینک اتار کر میز پر رکھتے ہوئے ایک لمحے کو سوچا اور بولے بچے کو چونکہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس کے ارد گرد مسائل کیا ہیں۔ والدین کو کن مشکلات کا سامنا ہے۔ قریبی عزیز کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی معصومیت ہی اسے ساری سوچوں سے بے نیاز رکھتی ہے۔ نتیجتاً وہ کسی سنجیدہ فکر اور غم سے بچا رہتا ہے، لیکن ساتھ میں ایک رخ دوسرا بھی ہے کہ ہمارے معاشرے کے وہ طبقے جو غریب ہیں۔ مثلاً دودھ فروش کے بچے، سائیکلوں کے ہوا بھرنے والے اور دوسرے مزدور پیشہ گھرانوں کے بچے تو ان کا بچپن ایسا خوشگوار نہیں ہوتا۔

آپ اپنی ابتدائی تعلیم علاقے کے بارے میں کچھ بتلایئے۔

جواب..... میرا گاؤں کوہستان نمک میں ہے۔ اسکا نام انگہ ہے۔ یہ سارا پہاڑی علاقہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی ملکیاں ہیں۔ زیادہ تر لوگ زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ یا پھر فوج میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ پہلی چار جماعتیں میں نے اپنے گاؤں کے سکول میں ہی پاس کیں بہت ہی پسماندہ علاقہ تھا۔ نہ کبھی کسی سیاسی لیڈر نے دورہ کیا تھا نہ کسی افسر نے۔ اس لئے ترقی کیسے ہوتی۔ ہاں اب وہاں ائیر فورس کا

ریڈار سٹیشن قائم ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے سڑک پختہ ہو گئی ہے۔

سوال..... آپ کب تک اس گاؤں میں رہے؟

جواب..... نو برس کی عمر تک میں وہاں رہا۔ پھر میرے والد صاحب فوت ہو گئے۔ میرے چچا نے میری سرپرستی قبول کی۔ وہ اوورسیز تھے۔ اٹک میں تعینات تھے۔ اس لئے میں ان کے ساتھ کیمل پور آ گیا۔ پانچویں سے دسویں تک یہاں زیر تعلیم رہا۔ دسویں کا امتحان ابھی دینا تھا کہ ان کا تبادلہ شیخوپورہ ہو گیا۔ یوں میٹرک کا امتحان میں نے شیخوپورہ آ کر دیا۔

سوال..... قاسمی صاحب پڑھائی میں کیسے تھے آپ؟

جواب..... میں پڑھائی میں خاصا تیز تھا! بلکہ تیز طرار کہئے۔ کلاس میں مانیٹر بھی رہا۔ پانچویں میں وظیفہ بھی حاصل کیا۔

سوال..... پڑھائی زیادہ کرتے تھے یا شرارتیں؟

جواب..... دونوں کا تناسب برابر تھا۔ شرارتوں سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ اور پڑھائی میں کمزوری بھی نہیں دکھاتا تھا۔ سکول میں عموماً شرارت نہیں کرتا تھا۔ شرارتوں کا میدان گھر بنتا تھا بھائیوں کے ساتھ کھیل کود ہوا کرتی تھی۔

سوال..... کوئی مزے کی شرارت ابھی تک یاد ہے آپ کو؟

جواب..... بھائی تو مجھ سے بڑے تھے۔ اس لئے ان سے تو لاڈ لاڈ میں شرارت ہوتی تھی۔ مثلاً وہ پڑھائی کر رہے ہوتے تو چپ چاپ آ کر پنسل چھین کر بھاگ جاتا۔ ہاں یاد آیا' ربڑ کے سانپ سے بھی ایک دفعہ شام کو انہیں ڈرایا تھا۔ ہوا یوں کہ ان کے کمرے میں سانپ رکھ دیا اور دور بیٹھ کر دھاگے سے اس کو ہلانے لگا۔ گاؤں کے لوگ عام طور پر بہادر ہوتے ہیں۔ وہ پہلے ذرا سا چونکتے پھر ڈنڈا لیکر مارنے کو لپکتے۔ میں فوراً دھاگا کھینچ لیتا۔ ایک آدھ بار انہوں نے پتھر سے میرے سانپ کو کچل بھی دیا۔

سوال..... سکول کے زمانے میں انسان بہت سے خواب دیکھتا ہے یہ بنوں گا وہ بنوں گا۔ آپ نے کیا سوچا تھا۔ اس وقت آپ جو ہیں۔ ایسے ہی.....؟

جواب..... نہیں..... ایسے احمد ندیم قاسمی کا تو میں نے بالکل نہیں سوچا تھا۔ ہمارے گھر کا ماحول کچھ سیاسی اور کچھ مذہبی تھا۔ اس زمانے کے معروف لیڈروں میں مولانا ظفر علی خاں۔ مولانا محمد علی جوہر جیسے لوگ تھے۔ ہم سوچتے تھے کہ بس انہی جیسے بنیں گے۔ علامہ اقبال کی شخصیت تو ذرا بعد میں ظاہر ہوئی۔ ان لوگوں کی سیاسی تقریریں اخبارات

میں نے کہا! میری انگلیوں میں ابھی تک درد ہے، پہچانا کیوں نہیں!

میں چھپتیں دل چاہتا کہ ایسے ہی بنیں۔ اور برطانوی تسلط کے خلاف لڑیں۔ غلامی اور محکوم ہونے کے خلاف ایک جذبہ دل میں ضرور تھا۔ چنانچہ جب گول میز کانفرنس کے موقع پر محمد علی جوہر کا لندن میں انتقال ہوا تو میں نے سوچا کہ ایسے موقع پر شعر کہنے چاہئے۔ طبیعت میری شروع سے ہی موزوں تھی۔ اس لئے میں نے ان کی وفات پر ایک نظم کہی۔ اس میں 15' 20 اشعار تھے۔ یہی میری پہلی باقاعدہ نظم تھی۔ میں نے اپنے بھائیوں کو سنائی وہ بے حد خوش ہوئے انہوں نے مشورہ دیا کہ چچا جان کو ضرور سناؤں۔ میں نے ہمت کر کے چچا جان کو بھی سنا ڈالی۔ وہ تو حیران رہ گئے۔ اتنے خوش ہوئے کہ فوراً کار نکالی اور لاہور آ گئے۔ یہاں سے روزنامہ سیاست نکلتا تھا۔ سید حبیب اس کے ایڈیٹر تھے۔ ان سے جا کر ملے اور اگلے ہفتے وہ نظم پورے صفحے پر بڑی شان سے شائع ہوئی۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ کتنی خوشی ہوئی ہو گی مجھے' اس وقت میری عمر 14 سال تھی۔

س - کچھ بچپن کے کھیلوں کے بارے میں.....!

ج - شاید ہی کوئی ایسا کھیل ہو جو میں نے نہ کھیلا ہو۔ ہاکی' کبڈی' ٹیبل ٹینس اور کیرم سے لے کر تاش گلی ڈنڈا تک..... سبھی کھیلے مگر مہارت صرف والی بال میں ہی آئی..... لٹو بھی چلائے اور پتنگ بھی اڑائے..... ابتدائی زمانوں میں ایک دفعہ اپنے ننھیال میں ماموں زاد محبوب الٰہی کے ساتھ چھت پر پتنگ اڑانے کے لئے چڑھا۔ صحن میں

لڑکیوں نے ترنجن کی محفل سجائی ہوئی تھی۔ چرخے گھوں گھوں کر رہے تھے اور سوت کاتا جا رہا تھا۔ اوپر ہم پتنگ اڑانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کیونکہ ہوا بند تھی۔ میں پتنگ اور ڈور لے کر اڑانے کے لئے چھت پر الٹے قدموں بھاگا اچانک چھت ختم ہو گئی اور میں صحن میں بیٹھی لڑکیوں پر جا گرا۔ بچپن میں میں خاصا "تھن متھنا" تھا سو مجھے تو چوٹ نہ آئی تین چار لڑکیوں کو ضرور چوٹیں لگیں۔

بچپن کی شرارتوں میں سے مجھے یاد ہے ایک بار میں نے مکئی کے بھٹوں کے بالوں سے مہندی رنگ کی داڑھی اور مونچھیں بنا کر لگالیں۔ سر پر بڑا سا پگڑ باندھا۔ قمیض کے نیچے بہت سے کپڑے ٹھونس کر بڑی سے مصنوعی توند نکالی۔ ہاتھ میں لاٹھی پکڑی اور خاندانی حویلی کے زنان خانے میں جا نکلا۔ خواتین کی تو چیخیں نکل گئیں کیونکہ سبھی نہ صرف پردے کی قائل تھیں بلکہ بہت احتیاط اور اہتمام سے پردہ کرتی بھی تھیں۔ ایک شرارت اور یاد آئی آپ بہرحال ویسی نہ کیجئے گا۔ داستان امیر حمزہ میں کہیں پڑھا تھا کہ عمرو عیار نے اپنے استاد کو تنگ کرنے کے لئے "جمال گھوٹا" پلا دیا تھا۔ میں نے بھی پنساری سے لے کر چچا کے ملازمین کیلئے گھر لا کر کھانے اور لسی کے جگوں میں ملا دیا۔ بے چارے بیت الخلاء کے چکر لگا لگا کر نڈھال ہو گئے بالآخر چچا جان کو انہیں ہسپتال لے جانا پڑا۔

س...... اس نظم کے بعد دوبارہ لکھنے میں کتنا وقفہ آیا؟

ج...... پھر وقفہ نہیں آیا۔ یوں سمجھیں کہ بند ٹوٹ گئے۔ زیادہ تر دینی قومی اور قدرتی مناظر کے موضوعات پہ نظمیں کہیں۔ کالج جا کر کچھ غزلیں بھی کہیں۔

س...... کالج کا زمانہ کیسا رہا؟

ج...... میں ایس ای کالج بہاولپور پڑھتا تھا۔ اساتذہ بہت اچھے ہوا کرتے تھے۔ پیرزادہ عبدالرشید صاحب علی گڑھ سے آئے۔ انگریزوں کے بھی استاد تھے۔ باذوق بھی تھے اور اپنے مضمون پہ عبور بھی رکھتے تھے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ کالج کے زمانے کی شرارتوں اور دوستوں پہ ایک مضمون لکھا تھا "ریاستی ساتھی" یہ مزاحیہ مضمون تھا۔ کچھ ساتھی ناراض بھی ہوئے کہ شرارتوں کا ذکر کیوں کیا ہے۔ چند سال قبل کالج کی سو سالہ تقریبات ہوئیں تو انہوں نے مجھے بلایا بھی اور میں نے وہاں شرکت بھی کی۔ بہرحال خوب زمانہ تھا۔

س...... بڑے لوگ عام طور پر اپنے اساتذہ کا ذکر بڑی محبت اور وارفتگی سے کرتے ہیں؟

ج...... اصل میں اساتذہ کا طلبہ سے جو تعلق اور محبت تھی یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ محنت اس قدر کراتے تھے کہ آج کل کے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ سکول وقت کے بعد گھر پہ بلا کر بچوں کو پڑھاتے تھے۔ کم لائق بچے بھی ان کی توجہ اور محنت کے باعث وظیفہ حاصل کر جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کی قدر کیوں نہ کی جائے۔ ان کا ذکر تو ہمیشہ اچھے لفظوں میں ہوتا رہے گا۔

س...... سکول کے زمانے کی کوئی ایسی بات یاد ہے جس نے مستقبل میں سوچنے اور عمل کرنے پہ گہرا اثر ڈالا ہو؟

ج...... ہاں بالکل یاد ہے۔ میں گھر سے خاصا غریب تھا۔ پیسے بہت کم ملتے تھے۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا اور زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر گزر رہی تھی۔ ہماری والدہ بہت باہمت اور سیانی خاتون تھی۔ ان کی خودداری نے ہمیں سنبھالے رکھا۔ ایک بار میں نے ان سے ایک آنہ مانگا اور کہا کہ پنسل خریدنی ہے۔ پنسل خریدنے کی بجائے کھا پی گیا۔ اپنے ایک کلاس فیلو کے بستے سے بالکل نئی پنسل نکال کر گھر لے گیا۔ والدہ نے اس کو پیچھے سے کاٹ کر ریشم کی ڈوری باندھ دی۔ میں ایک ماہ تک وہ پنسل سکول نہ لے کر گیا تا کہ وہ لڑکا بھول جائے۔ جس دن لے کر گیا۔ اسی دن اس نے پہچان لی اور شور مچا دیا۔ ماسٹر صاحب نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا سکھ دکاندار سے خریدی ہے اور میری ہے۔ ماسٹر صاحب نے تصدیق کے لئے لڑکا ساتھ بھیجا۔ مگر دکان بند تھی۔ میں خوش خوش واپس آ گیا۔ مگر انہوں نے آتے ہی کہا دکاندار نہیں ملا۔ کوئی بات نہیں میں خود تصدیق کر لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہی پنسل میری انگلیوں میں پھنسا دی اور

زور سے دبا کر بولے کس کی ہے۔ میں نے چیختے ہوئے کہا میری ہے۔ انہوں نے اور زور سے دبایا میری چیخیں نکل گئیں۔ میں نے روتے ہوئے اپنی چوری تسلیم کر لی۔ اس سزا سے مجھے زندگی بھر کا سبق مل گیا اور میں نے دوبارہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کی۔ وہی استاد صاحب چند سال پہلے مجھے ملے تو بولے مجھے پہچانا۔ میں نے کہا میری انگلیوں میں اب تک درد ہو رہا ہے۔ پہچانا کیوں نہیں۔ انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا۔

س...... آپ کا تعلیمی دور کب تک جاری رہا؟

ج...... 1935ء میں میں نے بی اے کیا۔ گھر کی پریشان حالی کے باعث ملازمت کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ ٹائپ رائٹنگ بھی سیکھ لی۔ اپنے ایک پھوپھی زاد فوجی افسر کے توسط سے ملازمت ملی۔ 39ء سے 41ء تک میں ایکسائز میں سب انسپکٹر کے طور پر کام کرتا رہا۔ یہ محکمہ میرے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ چرس افیون اور شراب پکڑنا اور ناجائز طور پر برآمد شدہ شراب کی بوتلیں گننا۔ عدالتوں میں جھوٹے سچے کیسوں میں پیش ہونا پڑتا۔ بعض مرتبہ غلط رپورٹیں اور غلط چھاپوں میں شرکت کرنی پڑتی۔ آخر کار میں یہاں سے استعفیٰ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور لاہور آکر ماہنامہ پھول کی ادارت سنبھال لی۔ تہذیب نسواں کی بھی ادارت کی۔ یہ 1941ء کی بات ہے۔ 1941ء سے 1946ء تک میں پھول کا ایڈیٹر رہا۔

س...... آپ احمد ندیم قاسمی کب بنے؟

ج...... میرا نام احمد شاہ ہے لیکن میں سیّد نہیں ہوں۔ میرے نام کے ساتھ شاہ اس لئے ہے کہ ہمارا خاندان پیروں کا خاندان ہے۔ مگر میں اس سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ اس لئے شعر کہنے شروع کئے تو ندیم تخلّص کیا اور شاہ چھوڑ دیا۔ اور قاسمی خاندانی نام ہے۔ نوکری کے دوران میری چیزیں زمیندار اور انقلاب میں شائع ہوتی رہیں۔ ہمایوں، بیسویں صدی، غرض جو بھی رسالہ تھا سب میں چیزیں شائع ہوتی تھیں۔

س...... پھول میں کیسے آئے؟

ج...... پھول بچوں کا ہفتہ وار اخبار تھا۔ سید امتیاز علی تاج اس کے مالک تھے۔ ان کے والد شمس العلما مولوی تاج علی نے پرچہ جاری کیا تھا۔ جنگ کا زمانہ تھا۔ مگر پھر بھی پھول کی اشاعت میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اس کی زبان پرائمری کے بچے آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ نظمیں کہانیاں پہیلیاں وغیرہ سبھی کچھ ہوتا تھا۔

س...... آپ خود کیا لکھتے تھے؟

ج...... نظمیں تو خیر لکھتا ہی تھا اور بھی جو ضرورت پڑتی کسی چیز کی کمی ہوتی لکھ دیتا تھا۔ بچے شوق سے پڑھتے تھے۔

س...... بچے پڑھائی لکھائی کی نسبت ٹی وی اور وڈیو کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج...... میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا بڑا پابند قسم کا معاشرہ ہو۔ مگر ہر بات کی حد ہونی چاہئے۔ اب ایسی فلمیں جنہیں والدین اور بچے اکٹھے بیٹھ کر نہ دیکھ سکیں۔ یقیناً باعث شرم ہیں۔ ہم اسلام کے نام لیوا ہیں۔ کوئی حد اور لحاظ تو ضرور رکھنا چاہئے۔ ان چیزوں کے فوائد تو ہیں مگر بچوں کے لئے انتخاب دیکھ بھال کر ہونا چاہئے۔ بچوں کی تربیت ہی ایسی کی جائے کہ وہ اچھی اور بری بات کا فرق اور فیصلہ خوشی سے خود کرنے لگیں۔

اس کے ساتھ ہی جناب احمد ندیم قاسمی سے پھول بچوں کے لئے کی گئی یہ ملاقات اختتام کو پہنچی۔ انہوں نے پھول کی اشاعت پہ خوشی کا اظہار کیا اور ہم نے اس ملاقات کے لئے ان کا شکریہ ادا کر کے اجازت چاہی۔

حلوائی کی دوکان

حلوائی نے دوکان سجائی
حلوا پوری اور مٹھائی
تھال میں رکھے لڈو پیڑے
میسو برفی رس ملائی
حلوائی نے دوکان سجائی
حلوا پوری اور مٹھائی
سوہن حلوا اور نتیسہ
نمک پارے اور سموسہ
حلوائی نے دوکان سجائی
گلاب جامن اور جلیبی
رس گلے اور امرتی
حلوائی نے دوکان سجائی
حلوا پوری اور مٹھائی

جمیلہ عزیز

تا حیات وظیفہ

قدرت اللہ شہاب

ورنیکلر فائنل کے لئے ہمارے امتحان کا سنٹر گورنمنٹ ہائی سکول روپڑ مقرر ہوا۔ روپڑ کا شہر چمکور صاحب سے کوئی گیارہ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ تین چار بیل گاڑیوں میں سوار ہو کر ہم سب فارسی کے استاد پنڈت سری رام کی قیادت میں ایک روز پہلے وہاں پہنچ گئے۔

دیا گیا۔ ایک لانگری کڑچھی ہاتھ میں لئے دال بانٹ رہا تھا۔ دو سکھ ایک بہت بڑے توے پر تیز رفتاری سے پھلکے پکار ہے تھے۔ وہ بار بار اپنی داڑھیاں کھجلاتے تھے اور پسینے کے بڑے بڑے قطرے روٹیوں کے لئے گندھے ہوئے آٹے میں مسلسل ٹپک رہے تھے یہ بے تکلفانہ
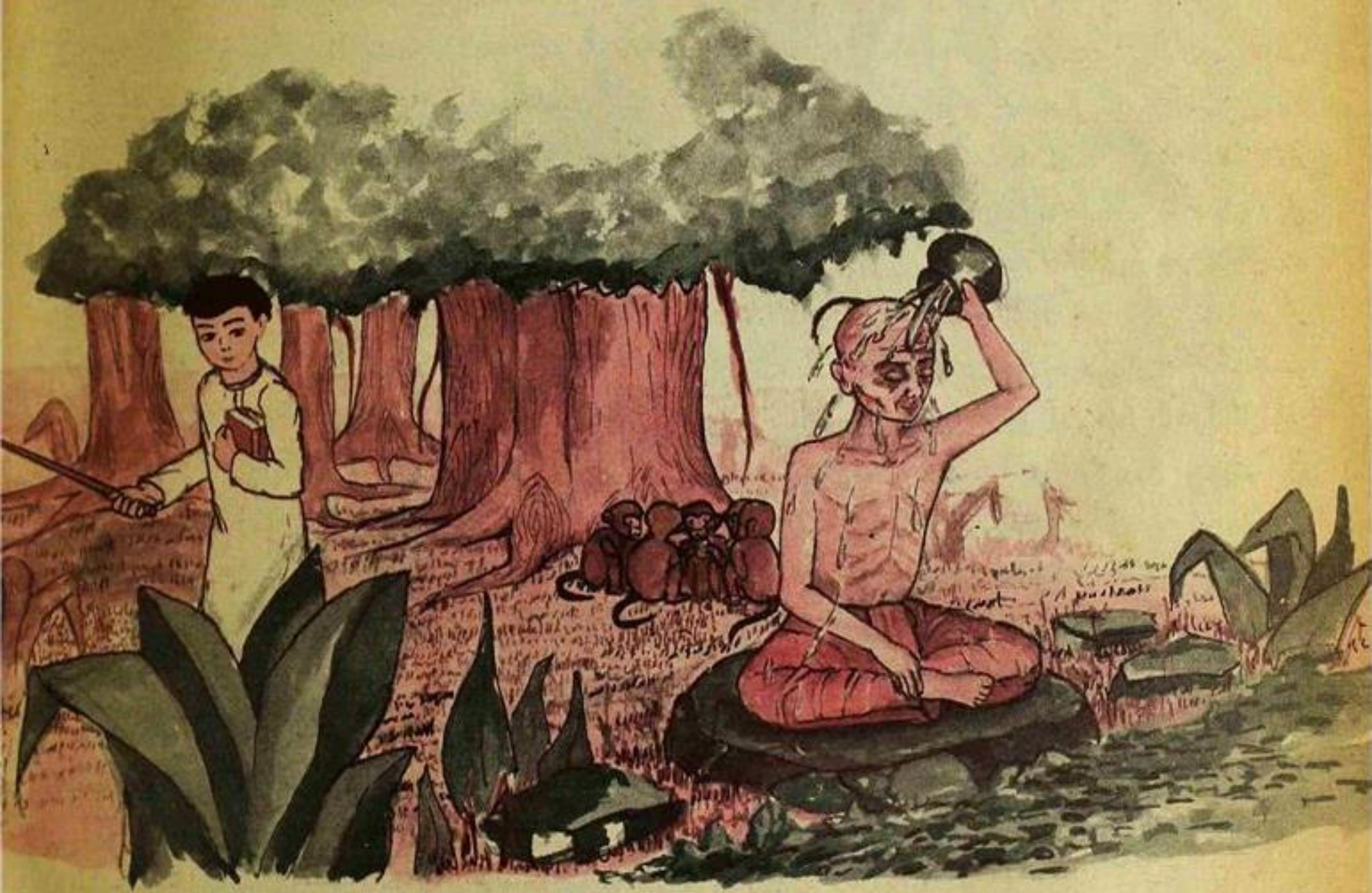
سکھوں کے ایک مقامی ہوٹل میں ہمیں ٹھہرایا گیا۔ سورج غروب ہوتے ہی کھانے کی گھنٹی بجی۔ سب لڑکے اپنی اپنی رکابی، گلاس اور گھی لے کر لنگر خانے میں حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ مسلمان بس ایک میں ہی تھا۔ اس لئے مجھے چوکے سے باہر دوسروں سے الگ خاصی دور بٹھا

انداز دیکھ کر میرا جی متلانے لگا اور میں سر درد کا بہانہ کر کے کھانا کھائے بغیر لنگر سے اٹھ آیا۔

لنگر سے وہ آپس میں شرطیں لگا کر چنے کی دال کے ساتھ بیس بیس تیس تیس چپاتیاں کھا کر آئے تھے۔ اب رضائی میں لیٹ کر

اگر ایک لڑکا ڈکار لیتا تھا' تو باقی سب بھی اس کے مقابلے میں زور زور سے ڈکارتے تھے۔ اگر ایک لڑکے سے بادشکم کا جھونکا سرزد ہوتا تھا' تو دوسرے بھی باآواز بلند اس کا ساتھ دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ کمرے کی فضا میں سنڈاس کی کثافت رچ گئی' اور رضائی میں منہ سر لپیٹے بھی مجھے ساری رات ابکائیاں آتی رہیں۔ صبح نو بجے پرچہ تھا۔ پرچہ ختم ہوتے ہی میں امتحان کے ہال سے نکلا' اور پاپیادہ چلتا ہوا غروب آفتاب کے وقت چمکور صاحب پہنچ گیا۔

اگلی صبح پھر میں چار بجے دوسرا پرچہ دینے روپڑ کے لئے پیدل روانہ ہو گیا۔ کرم بخش مجھے نہر تک چھوڑنے آیا۔ شدید سردیوں کے دن تھے۔ چاروں طرف بڑی گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ گھاس پر کورا جما ہوا تھا۔ گھپ اندھیرے میں دور تک پھیلے ہوئے جھونڈیوں نظر آتے تھے جیسے بہت سے ہاتھی سونڈ اٹھائے کھڑے ہوں۔ وقتاً فوقتاً گیدڑوں کے چیخنے کی آواز بھی آتی تھی۔ ان کی چیخوں کے ساتھ گاؤں کے کتے بھی زور زور سے رونے لگتے تھے۔ ان دنوں سارے علاقے پر جگموہن سنگھ ڈاکو اور اس کے گروہ کی دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی شجاعت' سخاوت اور بے رحمی کے عجیب و غریب قصے زبان زد خاص و عام تھے۔ کبھی کبھی میرے دل میں ایک دبی دبی خواہش چوری چوری سر اٹھاتی تھی کہ اگر قسمت یاوری کرے اور جگموہن سنگھ ڈاکو مجھے پکڑ کر اپنے گروہ میں شامل کر لے تو میری زندگی کا بھی کوئی مقصد بن جائے۔

کرم بخش نے مجھے بتایا کہ جگموہن آج کل شملہ پہاڑ کے راجوں اور رجواڑوں کی لوٹ مار میں مصروف ہے۔ اس لئے نہر سرہند کا کنارا مسافروں کے لئے بالکل محفوظ ہے تاہم احتیاطاً اس نے میری پاکٹ واچ اتروا کے اپنے پاس رکھ لی۔

مجھے نہر تک پہنچا کر کرم بخش واپس لوٹ گیا۔ میں نے اپنی لاٹھی کندھے پر رکھی اور روپڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کہنے کو تو میں روانہ ہو گیا' لیکن دراصل میرے پاؤں میں سیسہ بھرا ہوا تھا۔ کچھ سردی اور کچھ خوف سے میرا تن بدن برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا اور آس پاس ذرا سی کھڑکھڑاہٹ سے دل اچھل کر گلے میں پھنس جاتا۔ ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ نہر کی پٹڑی کے عین درمیان دو انگارہ سی آنکھیں مجھے گھورتی نظر آئیں۔ میں نے کھانس کھانس کر اپنی لاٹھی زمین پر زور زور سے ماری' تو جنگلی بلا "میاؤں" کر کے جھاڑیوں میں بھاگ گیا۔ چاروں طرف چھائے ہوئے سناٹے کے گنبد میں وہ "میاؤں" دیر تک صور اسرافیل کی طرح گونجتی رہی۔ دو چار گیدڑ بھاگتے ہوئے آئے اور میرا راستہ کاٹ کر گزر گئے۔ ایک درخت پر اتنی چمگادڑیں پر پھیلائے الٹی لٹکی ہوئی تھیں کہ شاخوں پر کالا کالا سائبان سا تن گیا تھا۔ میرے قدموں کی چاپ سے ان کے آرام میں خلل پڑا تو چند چمگادڑیں عجیب خوفناک آواز سے چلائیں۔ آگے گیا تو ایک ٹنڈ منڈ درخت پر بہت سے بندر اور چند لنگور شاخ بشاخ الٹی قلابازیاں کھا رہے تھے۔ ایک لنگور بڑی عجیب بازیگری دکھا رہا تھا۔ درخت کی شاخ کے گرد وہ اپنی دم لپیٹ کر جھولے کی طرح جھولتا تھا' اور پھر فضا میں قلابازیاں کھاتا ہوا کسی دوسری شاخ کی طرف لپکتا تھا لیکن دوسری شاخ کو چھوئے بغیر وہ اسی طرح ہوا میں قلابازی کھا کر واپس لوٹتا تھا' اور حسب سابق پہلی شاخ کے ساتھ الٹا لٹک جاتا تھا۔ اس طرح کی اصلی لنگوری جست زندگی میں صرف اسی روز دیکھنا نصیب ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہ کرتب فقط امور ریاست اور سیاست اور سفارت ہی میں نظر آئے ہیں۔ دو تین بندر نہر کی پٹڑی پر بھی بیٹھے تھے اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ نیت تو میری دیر سے ڈانواڈول ہو رہی تھی۔ اب بندروں اور لنگوروں کو اپنی راہ میں حائل دیکھا تو دل نے بے اختیار گواہی دی کہ جان تو جہان ہے پیارے۔ امتحان کو گولی مارو' اور آرام سے گھر واپس لوٹ چلو۔ ورنیکلر فائنل اگلے سال بھی ہو جائے گا میں اسی شش و پنج میں کھڑا تھا کہ سناٹے میں دور سے "ہری اوم' ہری اوم" کی آواز لہرائی اور تاریکی میں ایک پتلا سا سایہ ابھرا' اور "ہری اوم" ۔ "رام رام ست ہے" کی مالا جپتا تیز تیز میرے قریب سے گزر گیا۔ یہ مکسودن پادھا تھا۔

مکسودن پادھا چمکور صاحب کے ہندوؤں کا پروہت تھا۔ سکھ اور مسلمان بھی اس سے اپنے بچوں کی جنم پتریاں بنواتے تھے۔ نجوم اور رمل میں مہارت کے باعث سارے گاؤں میں شادی بیاہ کی تاریخ' سفر پر روانہ ہونے کی ساعت' اور مرگ و حیات کی جملہ رسومات کا پروگرام وہی طے کرتا تھا۔ عام بیماریوں کا علاج تو حکیم بسنت رام کے سپرد تھا۔ لیکن چیچک' خسرہ' پلیگ اور ہیضہ جیسے موذی امراض پر مکسودن پادھا کا کنٹرول تھا۔ اذان کی آواز پر وہ خالی ٹین بجانا شروع کر دیتا تھا' تاکہ بول سنائی نہ دیں۔ درود شریف سن کر وہ دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا تھا۔ جب کبھی وہ ہمارے محلے سے گزرتا تھا' تو مسلمان بچے زور زور سے درود شریف پڑھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ یہ سن کر مکسودن پادھا کانوں میں انگلیاں دیئے اتنی تیزی

سے بھاگنا شروع کر دیتا تھا کہ ہم لوگ بھی اس کے تعاقب میں بری طرح ہانپنے لگتے تھے۔

مکسودن پادھا کا معمول تھا، کہ وہ صبح تین چار بجے اٹھ کر زور زور سے ہری اوم، ہری اوم، رام رام ست ہے کی مہانی کرتا نہر پر جاتا تھا اور گرمی ہو یا کڑاکے کی سردی ٹھنڈے پانی سے اشنان کر کے اپنی پوجا پاٹ شروع کرتا تھا۔ اس کے معمول میں ایسی باقاعدگی تھی، کہ اس کے نہر پر جانے اور واپس آنے کی آواز لوگوں کے لئے الارم ٹائم پیس کا کام دیتی تھی۔

میرے قریب سے گزر کر مکسودن پادھا جب بندروں کے پاس پہنچا، تو ان کا ایک جم غفیر اس کے گرد جمع ہو گیا۔ ہنومان جی کو نمسکار کر کے مکسودن نے ایک پوٹلی کھولی اور بہت سی پوریاں بندروں کے سامنے ڈال دیں۔ پھر وہ نہر کے کنارے ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گیا اور پانی کی گڑویاں سر پر ڈال ڈال کر چھپا چھپ نہانے لگا۔

ایک ساٹھ ستر برس کے دبلے پتلے منحنی سے برہمن کی یہ شان مردانگی دیکھ کر میرے اسلام کی رگ حمیت بھی کسی قدر پھڑکی۔ میں چھاتی نکال کر لاٹھی گھماتا بڑے آرام سے بندروں کے پاس سے نکل آیا جن کی توجہ بہرحال پوریوں پر مرکوز تھی اور مکسودن پادھا سے کچھ دور رک کر اس کی رام رام کے جواب میں زور زور سے درود شریف پڑھنے لگا۔ مکسودن پادھا نے پہلے تو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر آواز کی سمت کا کھوج لگایا اور پھر درود شریف کے الفاظ سن کر اس نے یک لخت دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ میں درود شریف بند کرتا تھا، تو وہ کان کھول دیتا تھا اور جب دوبارہ پڑھنے لگتا تو پھر انگلیاں ٹھونس لیتا۔ جی تو چاہا کہ ہری اوم ہری اوم اور درود شریف کی آنکھ مچولی کا یہ کھیل جاری رکھوں۔ لیکن میری منزل کھوٹی ہوتی تھی۔ اس لئے میں با آواز بلند درود شریف کا ورد کرتا آگے بڑھ گیا۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے آہستہ آہستہ میری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ پھر جسم پر ہلکی ہلکی حرارت کی ٹکور ہونے لگی اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے الیکٹرک بلینکٹ اوڑھا ہوا ہو۔

تین سوا تین گھنٹے کے بعد جب میں امتحان کے ہال میں پہنچا تو خاصا پسینہ آیا ہوا تھا۔ میں نے آرام سے پرچہ کیا، اور پھر ہال سے اٹھ کر درود شریف پڑھتا ہوا خراماں خراماں شام تک گھر پہنچ گیا۔

جب نتیجہ نکلا، تو ورنیکلر فائنل کا وظیفہ تو مجھے صرف دو برس کے لئے ملا، لیکن درود شریف کا وظیفہ میرے نام تاحیات لگ گیا۔

ہو مبارک سبھی کو سال نیا
کاش! پھولے پھلے چمن اپنا
آرزوؤں کے پھول کھلتے رہیں
پھل مرادوں کے سب کو ملتے رہیں
چار سو دودھیا سویرا ہو
امن کا ہر طرف بسیرا ہو
بھائی چارہ ہو ملک و ملت میں
مبتلا ہو نہ قوم ذلت میں
گیت خوشیوں کے مل کے گائیں ہم
چین کی بانسری بجائیں ہم
خیر ہو خیر ہر بشر کی خیر!
میرے خوابوں کے اس نگر کی خیر
ہر کوئی اس کا درد مند رہے
ساری دنیا میں سر بلند رہے

ناصر زیدی

ننھا مجاہد

☆سید کاشان جعفری

عرفان بارہ، تیرہ سال کی عمر کا دبلا، پتلا سا لڑکا تھا۔ وہ دن بھر چھوٹے سے ٹھیلے پر چنے، مرمرے، بسکٹ، ٹافیاں اور غبارے بیچتا، ادھرادھر پھرتا نظر آتا، جب وہ گلی میں داخل ہو کر اپنی باریک سی آواز کو حلق سے نکال کر صدا لگاتا، آیا چنے، مرمرے، بسکٹ، ٹافی، غبارے والا! تو محلے بھر کے بچے اس کے ٹھیلے کے گرد جمع ہو جاتے۔

اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کا چست اور پھرتیلا تھا۔ ابھی وہ گلی میں داخل ہوتا نظر آتا تو پلک جھپکتے ہی دوسرے سرے پر اس کی آواز سنائی دیتی۔ شہر کا کوئی محلہ، کوئی گلی اس سے ناواقف نہیں تھی۔ گرمی ہو یا دانت بجا دینے والی کڑکڑاتی سردی، اسے اپنے کام سے کام رہتا۔ اس کے معمول میں کبھی فرق نہ آتا۔ چھوٹے سے شہر کے سارے بچے بوڑھے جوان اس کی آواز سے مانوس ہو چکے تھے اور اس کے منتظر رہنے لگے تھے۔ سب کو ہی اس کا نام معلوم تھا مگر چنے، مرمرے والا کہہ کر ہی اسے بلایا جاتا......

یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عرفان چنے مرمرے والے کے بھیس میں اپنے وطن کی آزادی کے لئے کس قدر اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ وہ چنے مرمرے فروخت کر کے صرف اپنی بیوہ ماں اور بہن کی گذر اوقات کے لئے کمائی ہی نہیں کرتا بلکہ ایک اہم خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ دراصل عرفان تحریک آزادی کشمیر کے لئے کام کرنے والے حریت پسند گروپ سے بھی وابستہ تھا۔

گزشتہ کئی ماہ سے بھارتی مظالم کا سلسلہ دراز ہو چلا تھا۔ حریت پسندوں کے لئے جلسے جلوس اور ہڑتالوں کے ذریعہ بھی اپنے جذبات کا اظہار کرنا مشکل بنا دیا گیا تھا۔ بڑی بڑی آبادیوں کو کرفیو کے نام پر ان کے گھروں میں قید کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ اب عبادت گزار شہریوں کو مساجد میں جا کر ادائیگی نماز کی اجازت بھی نہ تھی۔ گھر گھر میں تلاشی لینے، معصوم اور بے گناہ لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ آبادی میں حریت پسندوں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر گھروں اور بازاروں کو بھی آگ لگا کر تباہ کیا جا رہا تھا۔

اس دن موسم بے حد خراب تھا۔ وادی میں برف باری کے بعد

سردی کا اثر بڑھ گیا تھا۔ برفیلی سرد ہوا کی وجہ سے لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایسے موسم میں ہلکی ہلکی بارش بھی ہونے لگی تھی۔ وہ معمول کے مطابق گلے سے کانگڑی لٹکائے کانپتا اپنے ٹھیلے کو پوری قوت سے آگے کی طرف دھکیلتا ہوا گلی میں داخل ہوا۔ گلی کے عین وسط میں دوسری بغلی گلی سے ایک نوجوان زخمی حالت میں لڑکھڑاتے قدموں سے بھاگتا ہوا آیا اور اس کے ٹھیلے کے قریب آ کر گر گیا۔ اس کے سینے سے خون بری طرح ابل رہا تھا جسے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے دبا کر روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ زخمی نوجوان نے اشارے سے چنے مرمرے والے لڑکے کو اپنے قریب بلایا۔ وہ خوفزدہ سا اس کے قریب پہنچ کر اس کی بات سننے کے لئے جھک گیا۔ زخمی نوجوان نے اپنا ایک ہاتھ اندرونی جیب میں ڈالا اور بمشکل تمام لرزتے ہاتھ سے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کانپتی آواز میں بولا...... 'میاں' چنے والے...... میں ایک مسلمان ہوں اور تم بھی کلمہ گو ہو...... مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے ابو آزادیٔ کشمیر کی جنگ لڑتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں...... اچھے اور ہونہار بیٹے وہی ہوتے ہیں جو اپنے والدین کے نقش قدم پر چلیں...... میرے پاس وقت بہت کم ہے...... وطن کی راہ میں اپنے حصے کا کام میں پورا کر چکا ہوں اور اب اپنی جان کا نذرانہ دے کر جام شہادت نوش کر رہا ہوں مگر میری خواہش ہے کہ میری شہادت کے بعد تحریک آزادی کا یہ چراغ بجھنے نہ پائے! آزادی کا یہ قافلہ منزل پر ہی پہنچ کر دم لے...... تم فوراً اس خط کو چھپا کر اسی گلی سے نکل جاؤ' کسی کو ذرا بھی شک نہ ہو کہ تم نے مجھ سے کوئی بات کی ہے یا میں نے تمہیں کچھ دیا ہے وگرنہ میری جان کی قربانی ضائع جائے گی۔ پولیس میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے"۔

"مگر آپ تو بہت شدید زخمی ہیں۔ ڈاکٹر کے لے چلوں آپ کو"۔

عرفان نے اس کے ہاتھ سے خط لے کر اسے ٹھیلے پر بچھے ہوئے بوسیدہ کمبل کے نیچے چھپاتے ہوئے کہا...... نہیں بیٹے...... نہیں...... میرا وقت پورا ہو چکا ہے...... کسی بھی ڈاکٹر کے پاس میرا علاج نہیں...... تم غور سے میری بات سنو اور پتہ اچھی طرح سمجھ لو' جہاں یہ خط پہنچانا ہے...... زخمی نے کہا۔ اس کی آواز بتدریج ڈوب رہی تھی۔ عرفان نے اپنے کان اس کے لبوں کے قریب کر دیئے۔ پتہ سمجھاتے ہی اس نے زیر لب کلمہ طیبہ کا ورد کیا' ایک ہچکی لی اور گردن ایک طرف کو لڑھک گئی......

نوجوان کی شہادت نے عرفان کو بھی حریت پسندوں کا حامی بنا دیا۔

اسے اگر نوجوان شہید کی وصیت کا خیال نہ ہوتا تو وہ وہاں رک کر اس کی نعش ضرور چھپا دیتا...... مگر اسے یہ بھی احساس تھا کہ ایک شہید کی نعش چھپانے کا مطلب قرب و جوار کی ساری آبادی کو بھارتی ظالموں کے ہاتھوں تہس نہس کرا دینے کے مترادف ہو گا۔ وہ زخمی کی لاش حاصل کرنے کے لئے گھر گھر تلاشی لیں گے۔ معصوم' بے گناہ بوڑھوں' بچوں' عورتوں اور لڑکیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑیں گے اور پھر پوری بستی کو آگ لگا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیں گے۔

وہ خاموشی سے برابر کی گلی میں داخل ہوا اور گلی در گلی وہاں سے بچتا' بچاتا کافی دور نکل گیا......

اسے اب اپنے ابو کی شہادت بھی یاد آ رہی تھی جب اس کے ابو شہید ہوئے تو وہ بہت چھوٹا تھا مگر امی اور دوسرے لوگوں کی زبانی باتیں سن سن کر اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی کہ بھارت نے اس کے وطن کشمیر جنت نظیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور تمام کشمیری مسلمان اپنے اپنے طور پر بھارتی تسلط سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہے ہیں...... یوں جب اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نوجوان نے جام شہادت نوش کیا تو عرفان خود بھی اسی راہ پر چل نکلا۔ وہ بمشکل تمام اپنے جذبات پر قابو رکھے ہوئے معمول کے مطابق صدا لگاتا ہوا گلی سے گزر رہا تھا۔

حادثے کی جگہ سے کافی دور نکل جانے کے بعد اس نے کمبل کے نیچے سے لفافہ نکال کر دیکھا جو بالکل سادہ تھا' کچھ نہ لکھا تھا۔ نوجوان شہید کا بتایا ہوا پتہ اس کے ذہن میں بالکل محفوظ تھا۔ لفافے پر پتہ نہ لکھنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اگر دشمنوں کے ہاتھ یہ لفافہ لگ بھی جائے تو وہ حریت پسندوں کا ٹھکانہ معلوم نہ کر سکیں۔

عرفان صدا لگاتا' ٹھیلے کو آگے بڑھاتا منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ مطلوبہ گلی میں پہنچ کر اس نے ارد گرد نظر دوڑا کر ماحول کا جائزہ لیا اور آیا چنے' مرمرے' بسکٹ' ٹافی والا کی صدا لگائی...... چند لمحے توقف کر کے اس نے ایک دروازے پر ہلکے سے تین بار دستک دی۔ یہی گھر شہید نوجوان نے اسے بتایا تھا...... جلد ہی دروازہ کھل گیا۔ ایک نوجوان دروازے کے عین وسط میں کھڑا اسے شبہ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا کیوں میاں چنے والے یہاں تمہیں کس سے ملنا ہے؟ عرفان نے بھی اسے اچھی طرح نظروں ہی نظروں میں پرکھ لینے کے بعد جواب میں دھیرے سے کہا' خالد بٹ صاحب سے!...... میں ہی خالد بٹ ہوں! کہتے ہوئے نوجوان ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا' آؤ......

اندر آجاؤ"......

عرفان نے اقرار میں گردن ہلادی اور اندر آکر دروازے کی اوٹ میں شہید نوجوان کا دیا ہوا وہ لفافہ اسے دے دیا۔

خالد بٹ نے چونک کر لفافہ دیکھا' پھر عرفان پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے سوال کیا۔"یہ لفافہ تمہیں کس نے دیا؟.... ڈوگر کہاں ہے؟ میرا مطلب رشید ڈوگر...... جو ہماری تحریک کا بے خوف اور بےباک مجاہد قاصد ہے......"

مجھے اس کا نام نہیں معلوم...... اور نہ ہی اتنا موقع تھا کہ وہ مجھے اپنا نام بتاتا۔ اس کے سینے میں فوجی کی گولی لگی تھی...... شاید بالکل دل کے قریب..... جام شہادت نوش کرنے سے پہلے وہ صرف مجھے یہاں کا پتہ ہی بتاسکا تھا اور لفافہ دے کر یہاں تک پہنچادینے کی تاکید کر کے وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا..... عرفان نے اسے ساری بات بتائی۔

تفصیل سن کر خالد بٹ کی پیشانی پر سلوٹیں اور گہری ہو گئیں۔ اس نے دروازہ فوراً بند کر دیا اور عرفان کو لیتے ہوئے کمرے کے اندر آگیا جہاں اسی عمر کے چار نوجوان لڑکے بیٹھے چائے پیتے ہوئے آگ بھی تاپ رہے تھے۔ خالد بٹ نے انگیٹھی میں کچھ اور کوئلے ڈالتے ہوئے کہا"لو بھئی رشید ڈوگر بھی شہید ہو گیا..... خیر ہماری زندگی ہماری موت سب وطن کے لئے ہے مادر وطن کی آزادی کے لئے ہے۔ ہم ضرور اپنے شہید دوست کے خون کا بدلہ لیں گے...... پھر وہ عرفان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا شاباش میاں عرفان! شاباش...... تم نے نہ صرف ہمارا ایک اہم پیغام ہم تک پہنچایا بلکہ اسے دشمن کے ہاتھوں پڑنے سے بچا کر اہم ترین قومی خدمت انجام دی ہے۔ یہ بھی تمہاری حریت پسندی اور تحریک آزادی سے محبت کا عملی ثبوت ہے"

اسی واقعہ کے بعد سے عرفان حریت پسندوں کی تحریک کے لئے باقاعدہ طور پر پیغام رسانی کی خدمت انجام دینے لگا۔

عرفان زندگی گزارنے کے لئے چنے' مرمرے کا ٹھیلہ لگاتے ہوئے یہ کام بھی بخوبی انجام دیتا۔ اس طرح کوئی بھی بھارتی جاسوس یا مخبر اس پر پیغام رسانی کا ذرہ برابر بھی شبہ نہ کرتا۔ کوئی بھی یہ بات سوچ نہیں سکتا تھا کہ 12' 13 سال کی عمر کا یہ دبلا پتلا یتیم لڑکا اپنی تحریک آزادی کی کوئی اہم خدمت انجام دے رہا ہے جبکہ وادی کے ماہرین حریت پسندوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی کامیابیوں سے بری طرح بوکھلا رہے تھے......

خالد بٹ کمرے کے عین وسط میں موم بتی کی مدھم پیلی روشنی میں اپنی نئی اسکیم کو آخری پچ دے رہا تھا...... عرفان نے بتایا تھا کہ ملٹری والے آپس میں اسلحے کی بھاری مقدار وادی میں آنے کی باتیں کر رہے تھے جو چھ تاریخ کی صبح کو خصوصی ملٹری ٹرین کے ذریعہ وہاں پہنچنے والا تھا

دوسرے دن صبح عرفان کو وہ خط حوالے کرتے ہوئے خالد نے احتیاطاً کہا میاں عرفان...... اس بار جو پیغام تمہارے سپرد کیا گیا ہے وہ بہت اہم ہے۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے...... خبردار...... کسی کو ذرا بھی شبہ نہ ہو......

عرفان نے کہا بھائی جان...... آپ قطعی فکر نہ کریں...... جیسا آپ نے کہا ہے' ویسا ہی ہو گا اور پھر معمول کے مطابق عرفان اپنا ٹھیلہ دھکیلتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ گیا اور وہ پیغام بھی اصل ہاتھوں تک پہنچادیا۔ اس پیغام رسانی کے تیسرے دن اخبارات میں بڑی شہ سرخی کے ساتھ اسلحہ لے کر جانے والی ٹرین کی دھماکہ کے ساتھ اڑ جانے کی خبر چھپی۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ یہ ٹرین حریت پسندوں کی سرکوبی کے لئے اسلحہ لے کر جارہی تھی کہ راستے میں ایک زبردست دھماکہ سے تباہ ہو گئی۔ مبصرین کا خیال ہے کہ یہ کام حریت پسندوں کے کسی گروہ کا ہے۔ ٹرین کے ساتھ ایک پوری بٹالین بھی کام آگئی۔ ایک بھی جوان زندہ نہیں بچ سکا۔ تفتیش جاری ہے......

ادھر حریت پسندوں کے کیمپوں میں اس غیر معمولی کامیابی کے بعد سب اپنے رب کے حضور سجدہ شکر ادا کر رہے تھے۔ اس کامیابی نے ان کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے تھے۔ وہ نئے محاذ پر بھارتی ظالموں کو ایک اور زک پہنچانے اور انہیں تنگ کرنے کی تجاویز پر غور و فکر کے بعد عمل کر رہے تھے۔ انہیں پیغام رسانی کا ایک موثر ذریعہ ہاتھ آگیا تھا۔ اس کمسن اور یتیم مجاہد کی شمولیت نے تحریک آزادی کی رفتار میں بڑی تیزی پیدا کر دی تھی۔

لاتوں کے بھوت

سجاد جہانیہ

آصف جونہی گلی کا موڑ مڑا، اسے راشد اور اس کے دو ساتھی اپنے منتظر ملے۔ آصف انہیں دیکھ کر ذرا سا ٹھٹھک گیا۔ وہ تینوں تیزی سے آگے بڑھے اور آصف کو دبوچ لیا اور اسے لاتوں اور مکوں سے مارنے لگے۔ آصف نے کوئی جوابی کارروائی نہ کی جب وہ اپنا دل خوش کر چکے تو آصف پر حقارت کی نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد آصف نے اپنا بستہ اٹھایا اور کپڑے درست کرتا ہوا

"کچھ نہیں امی......بس وہ......" آصف نے بہانہ کرنا چاہا۔

"سچ سچ بتاؤ...... کسی سے جھگڑ کر آ رہے ہو؟"......امی نے قدرے سختی سے پوچھا۔

"امی...... اصل میں سکول سے نکل کر سڑک پار کرنے لگا تو دوسری طرف سے آنے والے سائیکل سوار کو نہ دیکھ سکا۔ بس اسی سے ٹکر ہو گئی۔ اس کے ہینڈل میں گریبان پھنس گیا تھا۔ اسی لئے بٹن ٹوٹ

گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کے گریبان کے بٹن ٹوٹ گئے تھے اور چہرے پر چوٹوں کے نشان بھی نظر آ رہے تھے۔ گھر پہنچ کر اس نے کوشش کی کہ امی سے نظر بچا کر اپنے کمرے میں چلا جائے لیکن امی اسے برآمدے میں ہی مل گئیں۔

"کیا ہوا......؟ یہ تمہارے چہرے پر نشانات کیسے ہیں؟ اور قمیض کے بٹن بھی ٹوٹے ہوئے ہیں"...... امی نے پریشانی سے اس کی گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

گئے۔ آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتی ہیں"...... آصف کے ذہن نے بالآخر ایک بہانہ تراش ہی لیا۔

"بیٹا تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ دیکھ بھال کر سڑک پار کیا کرو۔ مگر تم خیال ہی نہیں کرتے"......امی نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

آصف اس نصیحت پر عمل کرنے کا وعدہ کرتا ہوا اندر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آصف نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اس کے ابو ایک بنک میں منیجر

تھے۔ وہ بڑا پیارا اور ذہین بچہ تھا۔ سکول گھر کے قریب تھا اس لئے وہ پیدل ہی جاتا تھا اپنی کلاس کے لڑکوں سے اس کا رویہ ہمیشہ اچھا اور دوستانہ ہوتا تھا۔ راشد اس کا کلاس فیلو تھا۔ وہ عمر میں آصف سے بڑا تھا۔ اس لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلسل دو سال سے نویں میں فیل ہو رہا تھا۔ عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے راشد کلاس کے تمام لڑکوں پر رُعب جھاڑتا تھا۔ وہ بڑا خراب لڑکا تھا اور اس کی دوستی بھی اپنے جیسے آوارہ لڑکوں سے تھی۔ کلاس کے دوسرے لڑکے اس سے ڈرتے تھے کیونکہ اس نے دو تین مرتبہ کچھ لڑکوں کو پیٹا بھی تھا۔ وہ اکثر کمزور لڑکوں سے ان کا جیب خرچ چھین لیا کرتا تھا۔

ایک روز تفریح کے وقت جب آصف گراؤنڈ کے ایک کونے میں بیٹھا تھا تو راشد اور ایک لڑکا اس کے پاس آئے۔ آصف اس روز اکیلا تھا کیونکہ اس کا دوست کاشف غیر حاضر تھا۔

"اے ...... کتنے پیسے ہیں تمہارے پاس؟" ...... راشد آصف کے قریب آ کر بد تمیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں اس سے کیا؟" ...... آصف نے ناگواری سے جواب دیا۔

"جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ زیادہ باتیں نہ کرو" ...... راشد بولا۔ آصف نے پہلے بھی اس کے بارے میں سنا تھا کہ وہ غلط قسم کا لڑکا ہے۔

اور دوسرے لڑکوں سے اکثر پیسے چھین لیتا ہے۔ چنانچہ آصف نے اسے سمجھانے کا ارادہ کیا:

"دیکھو راشد بھائی ...... یہ بہت غلط بات ہے۔ دوسروں سے چیزیں چھیننا اور لڑائی جھگڑا کرنا بہت بری بات ہے۔ گناہ بھی بہت ہوتا ہے"۔ آصف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"بکواس بند کرو۔ جو میں نے کہا ہے وہی کرو" ...... راشد نے اس کا ہاتھ سختی سے جھٹک دیا اور آصف کا گریبان پکڑ لیا۔

"دیکھو ...... تم زیادتی کر رہے ہو۔ تمہیں آخر گھر سے بھی تو جیب خرچ ملتا ہو گا اور اگر تمہیں شدید ضرورت ہے تو مجھ سے پیسے لے سکتے ہو، لیکن یہ زبردستی کی بات بہت بری ہے"۔ آصف نے گریبان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ضرورت ہے تو تم سے مانگ رہا ہوں" اس نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے کہا۔

ایک سکھ نے معمولی سی پھٹی لنگوٹی پہن رکھی تھی اور درخت پر چڑھ کر بیر کھا رہا تھا۔ نیچے سے ایک شخص نے پوچھا سردار جی کیا کر رہے ہو۔ جواب دیا۔ زندگی میں صرف دو ہی تو کام کئے ہیں یا اچھا لباس پہنا یا تازہ فروٹ کھایا ہے۔

"آج تو لے لو لیکن آئندہ ایسا نہ ہو۔ اپنے جیب خرچ میں گزارا کیا کرو"۔ آصف نے کہا۔

اور پھر اس نے اپنی جیب میں موجود تین روپے نکال کر راشد کو دے دیئے۔ راشد نے روپے جھپٹ لئے اور چپکے سے یہ جا وہ جا۔

آصف نے سوچا کہ راشد کے گھر والوں سے ملنا چاہئے۔ تاکہ وہ اسے سمجھا سکیں اور راشد بھی سیدھی راہ پر آ جائے۔ چنانچہ آصف شام کو اس کے گھر گیا۔ راشد اس وقت گھر میں موجود نہیں تھا۔ آصف نے ساری بات اس کے ابو کو بتا دی وہ بولے۔

"بیٹا تم نے اچھا کیا جو سب کچھ مجھے بتا دیا۔ میں آج ہی اسے سمجھاؤں گا۔ تم اپنے روپے لے لو"...... راشد کے ابو نے جیب سے روپے نکال کر آصف کی طرف بڑھائے۔

"نہیں انکل روپوں کی کوئی بات نہیں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ راشد سدھر جائے" ...... آصف نے کہا۔ راشد کے ابو کے اصرار کے باوجود اس نے پیسے نہ لئے اور واپس لوٹ آیا۔

اگلے روز کلاس میں راشد سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت غصے میں تھا۔ اس نے آصف کو دھمکیاں دیں لیکن اس وقت کاشف اور عامر کی موجودگی میں اسے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور پھر سکول سے واپسی پر راشد اور اس کے دوستوں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن آصف نے کوئی جوابی کارروائی نہ کی تھی۔ اور اب وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ راشد کو کس طرح سمجھایا جائے۔ اس کا بدلہ لینے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ نبی کریمؐ کی وہ حدیث جانتا تھا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ۔

"بہترین شخص وہ ہے جو کسی سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو لیکن اسے معاف کر دے"

اس نے دل ہی دل میں راشد کو معاف کر دیا تھا۔ چنانچہ راشد کو سدھارنے کے طریقے سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔

اگلے روز وہ سکول گیا۔ راشد اپنی سیٹ پر اکیلا بیٹھا تھا۔ آصف

سیدھا اس کے پاس چلا گیا۔

"راشد بھائی...... اب تو تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا" ...... آصف بولا۔

راشد نے اسے حقارت سے دیکھا اور خاموش رہا۔

"دیکھو راشد تم کتنے اچھے گھر کے لڑکے ہو۔ تمہارے ابو کتنے شریف آدمی ہیں۔ وہ ہر وقت تمہارے بارے میں پریشان رہتے ہیں۔ پھر تم کیوں برے لڑکوں کے ساتھ مل کر برے کام کر کے خود کو بھی گناہ گار کرتے ہو اور والدین کی پریشانی کا سامان بھی کرتے ہو۔ تمہارے یہ برے ساتھی کبھی تمہارے کام نہیں آئیں گے۔ خدا کے لئے انہیں چھوڑ دو اور سدھر جاؤ" ...... آصف نے اسے سمجھایا۔

ایک بچہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ اس کا بھائی اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا مگر بچہ تھا کہ چپ ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے اونچی آواز میں ماں سے پوچھا۔

"امی یہ ننھا جنت سے آیا ہے نا؟"

"ہاں بیٹا"

"اب سمجھ گیا۔ وہاں بھی یہ بیوقوف اسی طرح رو رو کر فرشتوں کو تنگ کر رکھا ہو گا اسی لئے جنت سے نکالا گیا۔"

کہ اسلامیات کے ماسٹر صاحب آ گئے۔ ان کو آتا دیکھ کر راشد بھاگ گیا اور جاتے جاتے دھمکی دے گیا کہ وہ آصف کو دیکھ لے گا۔

آصف واپس کلاس میں آ کر بیٹھ گیا اور راشد کے بارے میں

"لگتا ہے کل والی مار بھول گئے ہو۔ اب دفعہ ہو جاؤ اور اپنی یہ تقریریں اپنے پاس رکھو" ...... راشد اسے گھورتا ہوا بولا۔

اس کو غصے میں آتا دیکھ کر آصف اٹھ کر اپنی سیٹ پر آ گیا۔

اسی روز دوپہر کو تفریح کے وقت راشد اور اس کے ساتھیوں نے آصف سے رقم کا مطالبہ کیا لیکن آصف نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ اسے رقم دے کر برے کاموں کے لئے اس کا حوصلہ بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ انکار پر راشد نے اسے تھپڑ مارا اور ابھی اور مارنا چاہتا تھا

سوچنے لگا وہ ہر طرح کی نرمی سے راشد کو سمجھا چکا تھا لیکن اس پر الٹا اثر ہوتا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ راشد اس کی نرمی کو بزدلی سمجھ رہا ہے' اس نے فیصلہ کیا وہ راشد کی اس غلط فہمی کو بہت جلد دور کر دے گا۔

سکول سے واپسی پر گلی کا قدرے سنسان موڑ مڑتے ہی توقع کے عین مطابق آصف نے راشد اور اس کے دو آوارہ دوستوں کو منتظر پایا۔ ان کو دیکھتے ہی آصف رک گیا۔ اس نے بستہ گلے سے اتار کر دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور آستینیں چڑھا لیں۔ راشد اس کا یہ انداز

دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹک گیا، لیکن پھر اپنے برے دوستوں کی شہہ پاکر آگے بڑھا۔ اس نے آصف کا گریبان پکڑ لیا۔ لیکن آصف نے پھرتی سے اس کی گردن میں بازو ڈال کر سر کی زوردار ٹکر اس کے ناک پر جمادی۔ راشد کی آنکھوں کے آگے تارے سے ناچنے لگے۔ اتنی دیر میں آصف نے دوسری ٹکر مار دی۔ راشد نے درد سے بلبلاتے ہوئے آصف کو چھوڑ دیا۔ آصف تیزی سے گھوما اور اس کی داہنی ٹانگ پوری قوت سے راشد کے پہلو میں پڑی۔ وہ پہلو پر ہاتھ رکھے درد سے دوہرا ہو گیا۔

راشد کے دونوں دوست ہکا بکا کھڑے تھے۔ انہیں آصف سے مقابلے کی توقع نہیں تھی۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ آصف نے آتے ہی ایک مکا گھما دیا۔ مکا اس کے ہونٹوں پر پڑا اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔

راشد کے آوارہ ساتھی سمجھ گئے تھے کہ وہ اکیلے آصف کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ انہوں مل کر اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آصف نے ان کی نیت بھانپ لی۔ واقعی ان دونوں کا مقابلہ اسے خاصی مشکل میں ڈال سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنی پتلون کی بیلٹ نکالی اور انہیں ڈرانے کے لئے گھمانے لگا۔ بیلٹ دیکھ کر وہ دونوں ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اتنی دیر میں راشد بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں کو بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھ کیا رہے ہو، پکڑ لو اس کمینے کو......"

ابھی اس کے منہ سے جملہ ادا ہوا ہی تھا کہ "ٹڑاخ" کی آواز کے ساتھ ہی راشد کی دردناک چیخ بلند ہوئی۔ آصف کی بیلٹ کوڑے کی طرح اس کی کمر پر لگی تھی۔ راشد کے دونوں دوستوں نے راسے درد سے بلبلاتے دیکھا تو اسے چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اب راشد اکیلا زمین پر گرا پڑا تھا اور آصف غصے سے بیلٹ گھما رہا تھا...... جب آصف نے اس پر دوسری ضرب لگانا چاہی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور بولا۔

"آصف مجھے مت مارو...... میں اب تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔ خدا کے واسطے...... نہ مارو......"

آصف رک گیا...... اور بولا...... "میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارے برے ساتھی کبھی تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ دیکھ لو! اب تمہیں اکیلے چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں......"

راشد اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آصف دوبارہ بولا۔

"یہ سزا تو میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے دی ہے کہ شرافت اور خیر خواہی کا مطلب بزدلی نہیں ہوتا۔ اصل سزا تو تمہیں اس وقت ملے گی جب میں تمہارے والد صاحب کو یہ سب کچھ بتاؤں گا......"

راشد نے یہ سنتے ہی آصف کے پاؤں پکڑ لئے۔

"خدا کے لئے آصف، میرے ابا جان کو کچھ مت بتانا...... انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں نے تمہیں تنگ کیا تو وہ مجھے گھر سے باہر نکال دیں گے...... پلیز! آصف میری شکایت مت کرنا، ورنہ ابو مجھے واقعی گھر سے نکال دیں گے...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی کو تنگ نہیں کروں گا......"

آصف کو یوں لگا کہ جیسے راشد واقعی اپنے کئے پر پشیمان ہے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ راشد سدھر جائے گا۔ راشد نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے تمام برے دوستوں کو چھوڑ دے گا اور آصف کے ساتھ مل کر پڑھا کرے گا۔

اور پھر آصف کے دوستوں میں راشد کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ آصف اور اس کے پرانے ساتھی مل کر پڑھائی میں اسکی مدد کرنے لگے۔ راشد نے بھی پوری توجہ دی اور پھر جب نویں کے سالانہ امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا تو راشد نے پوری کلاس میں تیسری پوزیشن لی تھی۔ اس کے گھر والے بھی خوش تھے کہ ان کا بیٹا بری عادات سے باز آ گیا ہے۔

ایک دن جب آصف، کاشف، عامر اور راشد اکٹھے بیٹھے تھے تو آصف نے راشد کی کایا پلٹ پر ازراہ مذاق کہا...... "یار راشد میں نے سیدھے طریقے سے تمہیں سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن پھر بالآخر دوسرا طریقہ ہی استعمال کرنا پڑا۔ بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے کہ "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے"۔

عامر اور کاشف ہنس پڑے جبکہ راشد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

استاد: (شاگردوں سے) اگر تم میں سے کوئی مشکل سوال پوچھے گا اور میں جواب نہ دے سکوں تو اس کو دس روپے انعام دوں گا۔

شاگرد: (کھڑا ہوتا ہوا) جناب ایک دریا میں 8 بطخیں تیر رہی تھیں۔ آگے والی بطخ کہتی ہے کہ میرے پیچھے 7 بطخیں ہیں جبکہ پیچھے والی بطخ کہتی ہے کہ میرے آگے 7 بطخیں ہیں۔ جبکہ درمیان والی بطخ کہتی ہے میرے آگے پانچ بطخیں ہیں۔ بتایئے یہ کس طرح ممکن ہے؟

استاد: (بہت سوچ کر) اچھا تم بتا دو۔ اس کا حل میری توسمجھ سے باہر ہے۔ یہ لو اپنا انعام۔

شاگرد: (معصومیت سے) جناب درمیان والی بطخ جھوٹ بولتی ہے۔

کاشف شہزاد...... لاہور

نائیلہ بختیار

ایسی دوستی نہیں کرنی

ہم جب رابعہ باجی کو سکول جاتے دیکھتے تو بڑی حسرت سے دل میں کہتے کہ ہم بھی باجی کی طرح بڑے ہو جائیں تاکہ سکول جائیں۔ ویسے ہمیں پڑھنے کا بھی تھوڑا بہت شوق تھا۔ رابعہ باجی کے آرام کو دیکھ کر ہمارا شوق کچھ زیادہ ہی پروان چڑھ گیا تھا۔

رابعہ باجی صبح اٹھتیں تو پہلے انہی کو ناشتہ ملتا' امی ابو انہیں کینٹین کے لیے پیسے بھی دیتے' فرزانہ آپا انہیں تیار کرتیں اور وہ آرام سے تانگہ میں بیٹھ کر سکول کو روانہ ہو جاتیں۔ واپسی پر رضوانہ باجی انہیں کو کھانا کھلاتیں اور کھانا کھا کر وہ بستر پر آرام کرتیں۔ شام کو صمد بھائی اور ظفر بھیا انہیں پڑھاتے۔ باجی پڑھنے کے بعد کھیلتیں۔ اچھے نمبر لینے پر انہیں بہت سے تحائف اور انعامات بھی ملتے۔

رابعہ باجی کے یہ مزے دیکھ کر ہمارا دل بار بار کہتا کہ کیوں نہ ہم بھی سکول میں داخلہ لے لیں۔ آخر ہم نے اپنے دل کی بات مان ہی ڈالی اور ایک دن ابو سے داخلہ کی فرمائش کر ڈالی۔ ابا نے ہمیں گود میں لیتے ہوئے کہا "بیٹا ابھی آپ چار سال کی ہیں ایک سال اور صبر کر لیں"۔

نہیں ابا جان' آپ مجھے سکول میں داخل کرا دیں نا۔ ہم نے ابو کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ (مگر اب ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ سکول میں داخل ہونا اور ہسپتال میں داخل ہونا ایک ہی بات ہے کیونکہ سکول میں اساتذہ اور ہسپتال میں ڈاکٹر نہ جانے کیا کیا سمجھاتے ہیں۔)

ابا نے ہماری اتنی زیادہ ضد دیکھی تو فرمایا کہ "کل ہم آپ کی باجی کے سکول جا کر پرنسپل سے بات کریں گے اگر وہ مان گئیں تو ہم آپ کو داخل کرا دیں گے"۔ آخر ابا کی بڑی کوشش کے بعد ہمیں نرسری میں داخلہ مل گیا۔ اس دن محلے بھر میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور ہمیں ڈھیروں کھلونے اور ننھی منی کہانیاں دی گئیں۔ ہمیں رات بھر صحیح طرح سے نیند نہ آئی اماں نے سکول کا یونیفارم پہلے ہی سی دیا تھا اور ہم بے قرار ہو رہے تھے کہ ہم کب یہ یونی فارم پہنیں گے۔ سکول جانے کے پہلے روز صبح امی جان نے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کروایا۔ رضوانہ باجی نے ہمیں یونی فارم پہنایا اور ہم خوب بن ٹھن کر رابعہ باجی کے ساتھ تانگہ میں بیٹھ کر سکول کی طرف روانہ ہو گئے۔

خیر ساتھیو! تانگہ والے نے ہمیں پبلک سکول کے گیٹ پر اتار دیا۔ ہم گیٹ سے سکول میں داخل ہوئے تو کچھ فاصلے پر جھولے کے گراؤنڈ پر نظر پڑی۔ بس ہم نے دل میں ارادہ کر لیا کہ ہم پینگ تو کسی کو نہ دیں گے بلکہ ہر وقت اس پر بیٹھ کر جھولتے رہیں گے۔ گول چکری میں بھی خوب بیٹھیں گے اور پھسلنے والے جھولے میں بھی خوب مزے سے کھیلیں گے۔ ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ باجی کی آواز سن کر ہم چونک گئے "نائلہ یہ تمہاری کلاس ہے"۔ باجی ہمارا بیگ ایک سیٹ پر رکھتے ہوئے بولیں۔ ہم کلاس میں بچوں سے ملنے کی بجائے' کلاس روم میں سجے کھلونے دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے۔ ہمارا پہلا پیریڈ شروع ہوا۔ مسز شاہ نے ہمیں خوب پڑھایا لیکن پڑھتے وقت ہمیں ایک خیال آیا کہ ظفر بھیا واقعی صحیح کہتے ہیں کہ بچہ جونہی سکول میں داخل ہو' سمجھ لو کہ بڑا ہو گیا کیونکہ وہ بے فکری کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ خدا خدا کر کے ہمارے چار پیریڈ ختم ہوئے اور پھر بریک کے لئے بیل بجی۔ ہم فوراً کینٹین کی طرف روانہ ہو گئے۔ کینٹین سے ہم نے بسکٹ خریدے اور ابھی ہم بسکٹ کھا رہے تھے کہ ہماری نظر کینٹین کے سامنے والی گراؤنڈ پر پڑی جہاں پر لگے کھٹے ہمیں دعوت نظارہ دے رہے تھے۔ ہم فوراً کھٹے کے درخت پر چڑھ گئے کیونکہ درخت نیچا تھا اور کھٹے با آسانی توڑے اور کھائے جا سکتے تھے۔ کھٹے کی ایک مضبوط سی ٹہنی پر بیٹھ جانے کے بعد ہم تھے کہ کھٹے پر کھٹے کھائے چلے جا رہے تھے۔ اچانک ذرا سی دور ایک بھڑوں کا چھتہ دکھائی دیا۔ ہم نے دو چار چھلکے ان کے گھر پہ تحفتہً دے مارے' اس دوستانہ پیغام پر بھڑوں نے خوب گرمجوشی سے استقبال کیا اور شکریہ ادا کرنے کے لئے تمام بھڑیں ہمارے جسم سے لگ گئیں اور ہمیں اتنا پیار کیا کہ۔

ملا ہو جیسے صدیوں بعد کوئی

بس اتنا یاد ہے کہ ایک تو کھٹے کھا کر ہماری آواز تقریباً بند ہو گئی تھی اور دوسری طرف بھڑوں کے پیار کے باعث درد سے ہم کراہنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ اس دوران ہم زمین پہ گرے اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ نجانے کتنی دیر بعد اتفاق سے سکول کی آیا کا وہاں سے گزر ہوا ہمیں اس حالت میں دیکھ کر وہ بھاگم بھاگ ہماری مس کے پاس گئیں۔ مس صاحبہ نے ابتدائی طبی امداد کے بعد رابعہ باجی کے ساتھ ہسپتال بھجوا دیا اور گھر اطلاع کر دی۔ شام کو جب ہوش آیا تو پیاری اماں جان کے آنسو میرے چہرے پر گر رہے تھے اور بھی بہن بھائی بیڈ کے چاروں طرف افسردہ کھڑے تھے۔ یقیناً میری صحت یابی کیلئے دعائیں کر رہے تھے۔

میں نے منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں فیصلہ کر لیا...... کہ آئندہ سکول سے بس پڑھائی سے ہی دوستی کرنی ہے' بھڑوں سے ایسی دوستی بالکل نہیں کرنی کیونکہ ان کی دوستی سے میرے سمیت سارے گھر والوں کو کتنی پریشانی ہوئی ہے۔

پیارے بچوں کے نام

پیارے بچو آؤ، آؤ!
اپنے وطن کا گیت سناؤ!
ہم اپنے پرچم کو لے کر آگے بڑھیں گے
خوب پڑھیں گے علم کے زینے اور چڑھیں گے
پاک وطن کا پرچم پیارا
روشن روشن چاند ستارا
اس پرچم سے شان ہماری ...... یہ پرچم پہچان ہماری
اس کا روشن نام کریں گے ...... اس کا چرچا عام کریں گے
پاک وطن اک پھلواری ہے
کتنی دلکش اور پیاری ہے
آؤ بچو! آؤ، آؤ!
اپنے وطن کا گیت سناؤ!
اس کے گیت سہانے کتنے ...... اس میں نور خزانے کتنے
پنچھ پکھیرو گانے والے ...... موسم دل بہلانے والے
پھول ہیں کتنے رنگ رنگیلے
سرخ گلابی نیلے پیلے
دریا چاندی کے فوارے ...... سارے منظر پیارے پیارے
پھول ہیں کتنے رنگ رنگیلے ...... سرخ گلابی نیلے پیلے
آؤ بچو، آؤ، آؤ!
اپنے وطن کا گیت سناؤ

پرویز اختر ملک
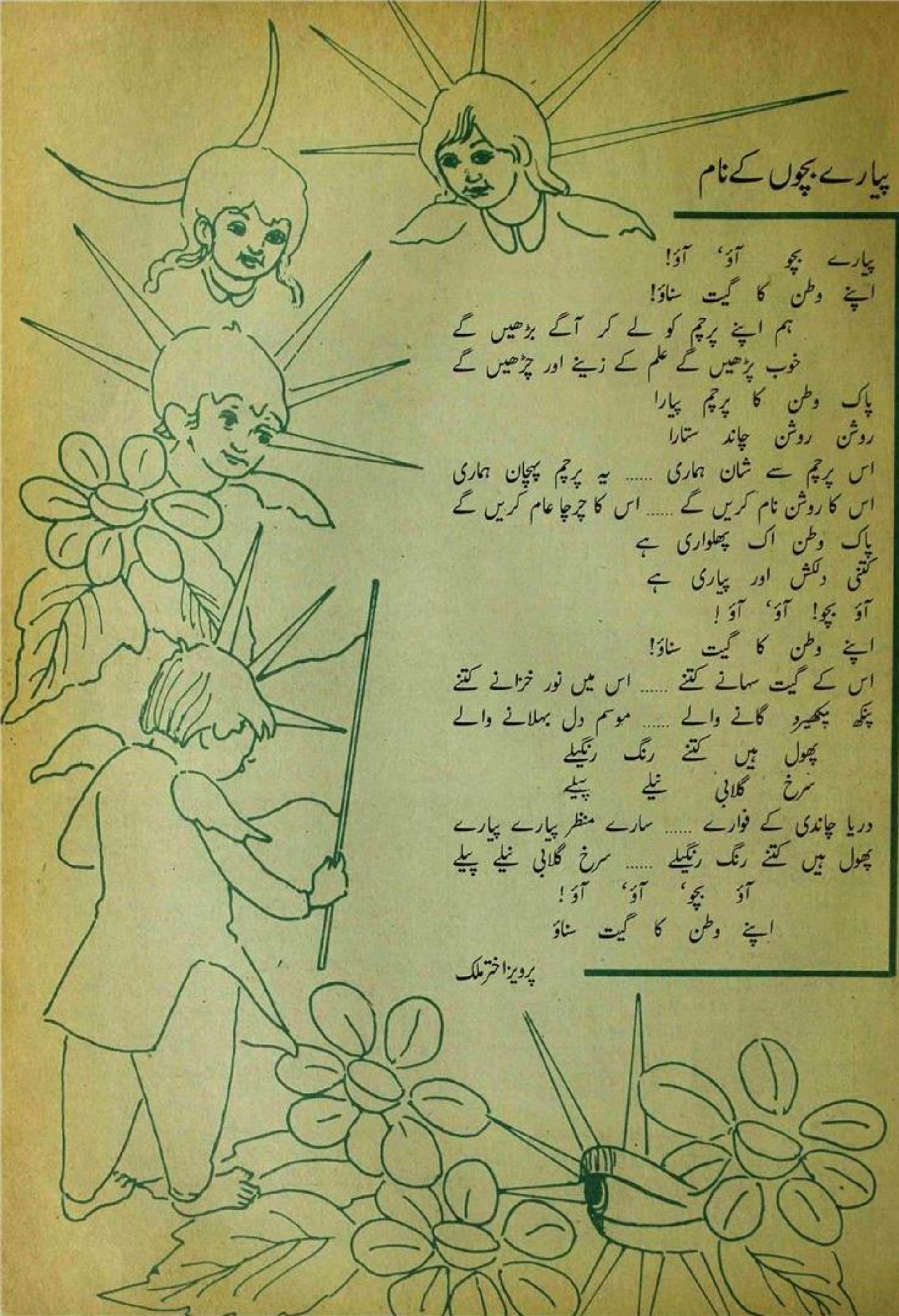
پھول بڑا مقبول

☆...... پہلی دفعہ پھول پڑھا اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا میری دلی دعا ہے کہ یہ پھول ہمیشہ پھولوں کی طرح مسکراتا رہے (سلطان آصف کھیوڑہ)

☆...... میجر ریاض حسین کی تحریر پڑھ کر دل خون کے آنسوں رونے لگا۔ "پھول کی تعارفی تقریب" پڑھ کر ایسا لگا جیسے ہم خود تقریب میں موجود ہیں نظم "پھول بچوں کو سلام" بے حد دلکش تھی۔ نئے سلسلے پھول کے مہمان اور آٹوگراف بک رسالے کی جان تھے۔ (راحیل قریشی حیدر آباد)

☆...... پھول کے لئے ایک تجویز ہے کہ آپ اس میں ذہنی آزمائش کا سلسلہ شروع کریں۔ (محمد بلال رضا مخدوم پور پھوڑاں)

☆...... میں خط وار کہانی لکھنا چاہتی ہوں بتایئے کیا کروں؟ (فرزانہ کوثر - چکی)

(آپ کہانی ضرور لکھئے مگر قسط وار نہیں پڑھ کر ہی چھاپنے کے بارے میں رائے دے سکوں گا)

☆...... حالانکہ میرے پرچے ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی پھول میں شرکت کے لئے وقت نکال رہی ہوں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پڑھتی نہیں ہوں میرا شمار تو کلاس کی ہوشیار لڑکیوں میں ہوتا ہے۔ (ناہید اشرف کلاس ہشتم (اے) اوکاڑہ)

☆...... لیجئے میں پھر حاضر ہو گیا ہوں بلکہ نازل ہو گیا ہوں کسی بلائے جاں کی طرح سے آپ کو میری نئی کوشش پسند نہیں آئی نہ سہی ژرائی ژرائی اگین کے مطابق میں پھر کوشش کر کے نئی کہانی لکھ لایا ہوں ایڈیٹر صاحب' بلاشبہ میں دبلا پتلا چھوٹا سائز کا ہوں مگر میری ہمت اور حوصلہ کسی بڑے سے کم ہرگز نہیں ہے۔ آپ میری ہمت اور حوصلے کا امتحان لیتے رہیں میں امتحان دیتا رہوں گا تو اب کہیئے میری نئی تخلیق کے لئے کیا حکم ہے۔ کیا کہا' پسند نہیں آیا...... چلئے کوئی بات نہیں آپ اسے ردی کی ٹوکری میں ڈالیں میں اور یعنی بقول آپ کے ژرائی ژرائی اگین کرتا رہوں گا۔ اچھا مجھ سے ملئے تو چھاپ دیں گے نا...... (س م دانش - کراچی)

(دانش میاں! اتنا خوبصورت لکھتے ہیں آپ)

☆...... پچھلے ماہ چھوٹا بھائی اپنے دوست سے پڑھنے کے لئے لایا تھا میں نے بھی پڑھا۔ پڑھنے میں بہت مزہ آیا۔ اس مرتبہ خود ہی خرید لیا۔ انشاء اللہ اب ہم اس کے مستقل خریدار بن جائیں گے رسالے کا معیار بہت اچھا ہے تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں خاص طور پر قدرت اللہ شہاب کی کہانیاں اچھی ہوتی ہیں۔ (زاہدہ فضل الحق ملتان عبداللہ فضل الحق)

دسمبر کا شمارہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا تمام کہانیاں بہت دلچسپ تھیں میں پہلی دفعہ پھول میں شرکت کر رہا ہوں۔ (شیراز ریاض سیالکوٹ)

(پہلی دفعہ آمد پر خوش آمدید)

☆...... اس شمارے میں مجھے مندرجہ ذیل کہانیاں بہت پسند آئیں۔ دوستی کی بنیاد' کیسے بھول جاؤں' یہ بھورے بھالو' نقد النقد سودا' قائداعظم کا پیغام' ایک صفحہ مہمان کا اور ژرائی ژرائی اگین اصل بات تو یہ ہے کہ تمام شمارہ ہی ون نمبر تھا۔ (منور اقبال تبسم کوٹ اسلام)

☆...... پھول تو بہت اچھا رسالہ ہے۔ کہانیوں میں قدموں کے نشان' دوستی کی بنیاد' ژرائی ژرائی اگین' صبح کی بھولی اور کھوکھلی جڑیں بہت پسند آئیں کوئی سلسلے وار کہانی شروع کی جائے۔ (نادیہ انور ملتان)

☆...... رسالے میں تمام تصاویر بہت خوبصورت اور دیدہ زیب تھیں رمان منساس کو مبارکباد! کہانیاں نقدا نقد سودا اور دوستی کی بنیاد بہترین تھیں ماہنامہ "پھول" کی تعارفی تقریب کی روداد بہت مزے دار تھی تمام تصاویر اچھی تھیں رسالے کا سرورق کافی کمزور تھا۔ (توفیق سجاول' اسلام آباد)

☆...... میں کلاس پنجم میں پڑھتا ہوں میں نے پھول پڑھا تو بہت پسند آیا۔ (عبداللہ فضل الحق ملتان)

☆...... قدموں کے نشان' نقد النقد سودا' کیسے بھول جائیں وغیرہ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی قیمت کم کر دیں اور قسط وار کہانیاں رسالے میں شائع کریں۔ (قیصر احمد شرقپور)

☆...... آپ کا "پھول" واقعی پھول ہے ہر کہانی کلی کی مسکتی ہوئی لگتی ہے اور یہی بات خوشبو کی طرح دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ (سعدیہ اسلم - پشاور)

☆...... اس رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ قدموں کے نشان' کھوکھلی جڑیں' یہ بھورے بھالو' تاریخ کا پیریڈ' اگر قائد نہ ہوتے' بے حد پسند آئیں۔ (محمد مقصود انور ملتان)

☆...... کارٹون کہانی بہت مزے کی تھی ہر بار شامل کیا کریں "پھر یوں ہوا" کا سلسلہ بور جا رہا ہے۔ (نوشین شاہ جبیں - لاہور)

☆...... قائد کا پیغام' اگر قائد نہ ہوتے' دلچسپ ریکارڈز وغیرہ بہت دلچسپی کے حامل رہے آپ کھلاڑیوں یا کسی عظیم انسان کی تصاویر رنگین اور ذرا بڑی شائع کیا کریں۔ (سید راشد حمید - سرگودھا)

☆...... نقد النقد سودا' ژرائی ژرائی اگین پسند آئی ہیں اور بک مارک کا آئیڈیا بھی بہت اچھا ہے۔ (ہارون اقبال جماعت ششم لاہور)

☆...... دسمبر کا پھول اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا اب کہانیاں پسند آئیں خاص طور پر کیسے بھول جاؤں' نقد النقد سودا' غرور کا انجام' ژرائی ژرائی اگین' قدموں کے نشان پسند آئیں۔ (محمد علی شکیل احمد - نندہ آدم)

☆...... دسمبر کا ہنستا مسکراتا پھول بالکل گلاب کے پھول کی طرح کھلا تھا دوستی کی بنیاد اور کیسے بھول جاؤں اچھی تحریریں تھیں۔ (زبیر احمد چیمہ - ملتان)

☆...... آپ نے صفحہ نمبر 2 پر ایک غلطی کی ہے آپ نے فہرست میں "بھورے بھالو" لکھا ہے جبکہ صحیح لفظ "بھورے بھالو" بہر کیف انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔ (امتیاز اکرم واہلہ - شیخوپورہ)

☆...... پھول جب گھر میں آیا تو سارا گھر خوشبو سے مہک اٹھا۔ اس ماہ کی کہانیوں میں صبح کی بھولی دوستی کی بنیاد' قدموں کے نشان اور آٹوگراف بک بہت پسند آئیں۔ نورین ایند طاہر علی سکھر (سندھ)

☆...... دسمبر کا پھول اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا اس دفعہ کہانیوں کی تعداد کم تھی لیکن پھول کی تعارفی تقریب بھی اچھی تھی۔ (حفیظ اللہ غزالی بلوچ' فیاض احمد تراکی بلوچ لانڈھی کراچی) میں نے جس رسالے میں بھی خط بھیجا انہوں نے اسے ردی کی ٹوکری کی زینت بنا دیا مگر آپ نے نہیں کیا اور اس ناچیز کا نام اپنے رسالے میں لگا دیا جس کا بہت بہت شکریہ۔ (کرن مختار لاہور)

(ہم آپ جیسے اچھے ساتھیوں کے لئے ہی تو رسالہ شائع کرتے ہیں اور انہیں کی اچھی تحریریں اور خطوط شائع کرتے ہیں پھر شکریے کے تکلف کی کیا ضرورت ہے)

☆...... ماہنامہ پھول بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اتنی زیادہ شہرت حاصل کر چکا ہے کہ پاکستان کے دوسرے کئی شمارے یہ شہرت حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں بچوں کے تقریباً پانچ رسالوں کا ہر مہینے مطالعہ کرتا ہوں لیکن ماہنامہ پھول ان تمام رسائل سے منفرد رسالہ ہے اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر آپ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (محمد حیات عبداللہ امیر پور سادات)

☆...... صبح کی بھولی' ژرائی ژرائی اگین' قدموں کے نشان بے حد پسند آئیں۔ نئے دلچسپ سلسلے "ایک صفحہ مہمان کا" اور "آٹوگراف بک بنائیں" جاری کرنے کا بے حد شکریہ (فرزانہ جمیل شرقپور)

☆...... مجھے پھول رسالہ بہت پسند ہے۔ کچھ لطیفے بھیج رہی ہوں ضرور شائع کریں۔ (عابدہ حنیف رنجھک ضلع اٹک)

(ابھی لطائف چھپنے میں کچھ وقت تو ضرور لگے گا)

☆...... نئے لکھاریوں کے لئے بھی جگہ دیں شکریہ میں نے لطیفے بھی بھیجے تھے دو لیکن ان میں سے ایک بھی نہیں چھپا پرانا نہیں تھا۔ (عدیلہ حبیبی ملتان)

☆...... اس دفعہ کہانیوں میں تاریخ کا پیریڈ' غرور کا سر نیچا' ژرائی ژرائی اگین' قدموں کے نشان' دوستی کی بنیاد' کیسے بھول جاؤں' صبح کی بھولی تعارفی تقریب بہت اچھی تھی۔ (توصیف رؤف خواجہ جلال پور)

☆...... دسمبر کا "پھول" پڑھا بہت پسند آیا لیکن اپنا نام دیکھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی بہت سا افسوس کہ میں نے آپ کو اس سے پہلے جو خط لکھا اس میں آپ کو بہت ہی برا بھلا کہہ دیا کہ آپ نے میرا خط نہیں شائع کیا میں اپنے اس رویے سے بہت ہی شرمندہ ہوں اگر آپ مجھے معاف کر دیں گے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ (عرفان محمود سوہل - کاموکی)

☆...... ہم نے بہت سے شمارے پڑھے لیکن پھول جیسی بات کسی اور میں کہاں؟ آخر پھول تو پھول ہے پھول پیارا لاجواب ہے ہم گزشتہ تین ماہ سے پڑھ رہے ہیں اور خط پہلی دفعہ لکھ رہے ہیں اس امید کے ساتھ کہ شائع ضرور فرمائیں گے ہمارا ننھا سا دل نہ توڑیئے گا ہمارا خط ضرور شائع فرمایئے گا۔ (زوبیہ انجمن زوبی اور زاہد رانا حامد رضا فریاد ضلع لیہ)

(بچے ننھے سے دل کو تسلی دے لیں خط شائع کر دیا ہے)

☆...... پھول واقعی ایک بے مثال رسالہ ہے آپ اگر پھول میں شعر و شاعری کے لئے ایک ورق کا اضافہ کر دیں تو ننھے منے بچے بھی کل کو شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال جیسی ہستی بن کر پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن کر سکتے ہیں۔ (محمد شبیر زاہد مرضی پورہ بورے والا)

☆...... انکل پھول رسالہ بہت خوبصورت رسالہ ہے میں نے پہلی مرتبہ خرید کر پڑھا بہت مزہ آیا اتنا خوبصورت رسالہ شائع کرنے پر میری طرف سے پورے اسٹاف کو مبارکباد قبول ہو۔ (محمد عبدالعزیز - حیدر آباد)

☆...... یہ رسالہ مجھے بہت ہی پسند آیا ایڈیٹر صاحب اس سے پہلے میں نے کبھی اتنا اچھا رسالہ نہیں دیکھا۔ (فاروق احمد خان گاؤں عیسن شریف)

☆...... پھول بچوں لوبڑوں کے لئے ایک مکمل جامع ماہنامہ ہے اس سے بہتر رسالہ میں نے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا میری دلی دعا ہے کہ یہ ماہنامہ پھول دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ (نوید الرحمن بٹ کالا گوجراں)

☆...... دسمبر کا شمارہ دیکھا تو بہت خوشی ہوئی۔ اس میں قائداعظم کے بارے میں جان کر کافی معلومات میں

اضافہ ہوا۔ خاص طور پر تاریخ کا پیریڈ بہت اچھی کہانی تھی۔ اس کے علاوہ دوستی کی بنیاد اور صبح کی بھولی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ (ممتاز انجم ۔ قصور)

دسمبر کا چمکتا دمکتا "مسکاتا مسکاتا" خوشبو بکھیرتا پھول پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ قدموں کے نشان "دوستی کی بنیاد" کہانیوں میں سے بہت متاثر کیا۔ (قیصر محمود مانسہرہ محلہ خان بہادر مانسہرہ)

پھول واقعی ہی پھول ہے پہلا شمارہ پڑھا پھر دوسرا پڑھا پھر خط لکھنے کا شوق پیدا ہوا اس ماہ دسمبر کا رسالہ بھی بہت اچھا ہے صبح کی بھولی قدموں کے نشان اور دوستی کی بنیاد بہت پسند آئیں تھیں ہماری دعا ہے کہ یہ پھول اس طرح ہنستا مسکراتا رہے اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل جائے۔ (بشریٰ زکریا یونیورسٹی ملتان)

کہانیوں میں تاریخ کا پیریڈ صبح کی بھولی قدموں کے نشان نرالی نرالی آئین کیسے بھول جاؤں اور غرور کا انجام بہت اچھی کہانیاں ہیں۔ (مصباح حبیب سرگودھا)

پھول ہم سب بہن بھائیوں کو بہت پسند آیا اس شمارے کی تمام کہانیاں اچھی تھیں امید ہے اس سے اگلے شمارے میں اس بھی اچھی ہوگی۔ آمین۔ (راحیلہ اور اس کے تمام بہن بھائی پیر محل)

میں نے شمارہ خریدا اس کی بھینی بھینی خوشبو دماغ میں بھر گئی جلدی سے تمام کہانیاں پڑھ ڈالیں۔ پھول بہترین شمارہ ہے۔ (ثناءاللہ آصف بستی شیخ اسمٰعیل)

دسمبر کا پھول بہت خوبصورت ہے سرورق اور زیبرا والا صفحہ بہت پسند آئے۔ شباب کہانی بہت ہی اچھی ہے اسے ختم نہ کریں۔ میرا اور بیٹے کا نام چھپ گیا ہے لیکن انعام نہیں ملا۔ ابو جی کہتے ہیں کوئی بات نہیں پھر کبھی آ جائے گا۔ (بیٹے ابو جی ٹھیک کہتے ہیں۔ (سلیمان خاں سبکتگین خاں جہانیاں منڈی ضلع خانیوال)

دسمبر کا خوبصورت پھول ملا پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی قائداعظم پر مضامین بہت اچھے تھے صبح کی بھولی دوستی کی بنیاد غرور کا انجام اور اگر قائد نہ ہوتے بہت اچھی تھی۔ (اظہر اقبال دین دار مشتاگڑھ)

انکل میرا خط نہیں چھاپتے میں تو ہر دفعہ لکھتی ہوں اب کے ضرور شائع کریں۔ محمد سلیم طاہر حسن شاہ (سلیم میاں چھاپ دیں مگر کیا؟ دیکھئے آپ کا نام شائع ہو رہا ہے۔ اب تو خوش ہو جائیں۔

"ماشاءاللہ" بہت پسند آئی کہانیوں میں "غرور کا انجام" "صبح کی بھولی" دوستی کی بنیاد قائد کا پیغام بہت اچھا تھا۔ لطائف بھی بہت مزے کے تھے۔ (عظمت اسد بٹ فیصل آباد)

پھول میرا پسندیدہ رسالہ ہے کیونکہ اس نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم چار بھائی ہیں ہر بھائی اپنا اپنا پھول خریدتا ہے اس طرح ہر ماہ ہمارے گھر 4 پھول آتے ہیں۔ 1۔ پھول شہزاد 2۔ پھول امتیاز 3۔ پھول ارشد 4۔ پھول خالد۔ (قاضی خالد محمود سعید کوٹ ادو مظفر گڑھ (پی/او تونسہ بیراج کالونی)

دوستی کی بنیاد کیسے بھول جاؤں "لقد اللقہ سود" اور قدموں کے نشان بہت اچھی تھیں۔ قائد پر لکھی گئی تحریروں کے ساتھ ساتھ "قائد کا پیغام" نے متاثر کیا۔ سالانہ خریدار کیسے بنا جا سکتا ہے۔ (اعجاز احمد انجم کھلابٹ ٹاؤن شپ)

(اعجاز میاں! سالانہ خریداری کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پھول کے پتے پر 100 روپے منی آرڈر کر دیں۔ ایک سال سے مزے سے گھر بیٹھے ہر ماہ کے پہلے ہفتے پھول ملتا رہے گا۔

نئے سلسلے "ایک سو مہمان کا" اور "آٹوگراف بک" اچھے ہیں۔ اس شمارہ کی سبھی کہانیاں اچھی تھیں۔ تعارفی تقریب میں پڑھا گیا عطاءالحق قاسمی صاحب کا کالم بہت پسند آیا۔ میری طرف سے انہیں مبارکباد پہنچا دیجئے۔ (خالد قیوم بٹ دھیرو ساہلی)

دسمبر کا ماہنامہ پھول پڑھا تو معلوم ہوا کہ آج تک پھول جیسا رسالہ نہیں پڑھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں جو خاص طور پر پسند آئیں وہ یہ ہیں نرالی نرالی آئین "گھومتی چیزیں" کیسے بھول جاؤ اور تاریخ کا پیریڈ۔ (عاطف رضا خاں لاہور)

ہم آپ کا رسالہ پھول بہت پسند کرتے ہیں لیکن ایک وجہ ہے کہ جب رسالہ چھپ کر آتا ہے تو رسالے میں کوپن بہت غلط جگہ پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوپن کے پیچھے جو نام چھپے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی کاٹنا پڑتا ہے۔ آئندہ ان شاءاللہ کوپن صحیح جگہ پر ہوا کرے گا۔ (سہیل خلیل سکھیکی منڈی)

میرے بڑے بھائی پھول پڑھتے ہیں اور میں صرف فی الحال تصویریں ہی دیکھتی ہوں کیونکہ مجھے پڑھنا نہیں آتا اس میں اچھی اچھی تصویریں ضرور شائع کریں سینری میں نے اپنے کمرے میں لگائی ہے اب پھر اس سے زیادہ خوبصورت سینری دیں۔ فقط آپ کی بہن عنبر اقبال فیصل آباد

پیارے بھائی جان
میں دہم جماعت میں پڑھتی ہوں۔ مجھے پھول بہت اچھا لگتا ہے۔ دسمبر کے شمارے میں اپنے پسندیدہ کالم نگاروں عطاءالحق قاسمی اور پروفیسر محمد سلیم کو دیکھ کر بہت مزا آیا۔ "کہ بھورے بھالو" پڑھ کر ریچھ دیکھنے کا شوق ہوا۔ سب سے زیادہ مزا شباب کہانی "پڑھ کر آتا ہے۔ میں نے شباب نامہ" 5 مہینے پہلے ہی پڑھی تھی۔ پھول میں اسے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ محمد قیوم اعتصامی صاحب کو بھی لکھنے کو کہیں۔ کیسے بھول جاؤں؟ بہت اچھی تھی۔ کاش اب بھی ہم ایسے ہی فرض شناس ہوں۔ جیسے وہ طالب علم تھا۔ سیم اللہ تھے "اور وہ کیسں بچہ تھا" جو البدر میں شامل ہونے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ نرالی نرالی آئین بھی مزے کی تھی۔ حفیظ الرحمٰن احسن نے بہت مزیدار نظم لکھی ہے۔ اب ان کے لئے "پھول بچوں کی طرف سے پھول بوڑھوں کو سلام" ۔
ذکیہ کریم جماعت دہم سرگودھا

محترم انکل صاحب
بات یہ ہے کہ میں نے ماہنامہ "پھول" کی بڑی شہرت سن اتنی کہ اکتا گیا۔ میں نے سوچا کہ پتہ نہیں اس میں ہے کیا؟ جو اتنی پبلسٹی کی جا رہی ہے۔ تو پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ماہنامہ "پھول" خریدا۔ سرورق دیکھتے ہی دلچسپی عود کر آئی۔ اور جوں جوں پڑھتا گیا اس کی شہرت کا راز کھلتا گیا۔ دل یوں کر رہا تھا جیسے "بلبل کسی گلاب کے پھول کو موسم بہار میں دیکھ کر چہچہاتی ہے" اسی طرح میں بھی اسکو دیکھ کر خوشی کے مارے کوئی سریلا سا گانا گاؤں لیکن گلے نے اجازت نہ دی۔ "پھول" کی شہرت سے زیادہ اسکو دلچسپ پایا۔
عبدالواحد بھٹی۔ میاں چنوں۔

ہم دو ماہ سے آپ کا رسالہ پھول پڑھ رہے ہیں اس سے پہلے ہم مختلف رسالے آنکھ مچولی، تعلیم و تربیت اور نونہال وغیرہ پڑھتے تھے۔ لیکن ہمیں پھول اتنا پسند آیا ہے کہ ہم نے مستقل اسی کو پڑھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تمام کہانیاں سبق آموز ہیں۔ اور اس میں دی ہوئی معلومات ہماری جنرل نالج میں اضافہ کرتی ہیں۔
سعدیہ عنبرین۔ پشاور

ماہنامہ پھول جب سے شروع ہوا ہے اسے میں باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ بہت ہی اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ اور معلوماتی بھی۔ تمام کہانیاں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ رسالہ پڑھنے کے بعد اگلے رسالے کا بہت انتظار رہتا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ پھول دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین۔ تصویریں بھی اچھی ہوتی ہیں۔
عائشہ۔ لاہور

"پھول" کو اور زیادہ دلچسپ بنانے کے لئے ایک تجویز ارسال کر رہی ہوں۔ امید ہے آپ غور کریں گے۔ آپ کسی مشہور و معروف اور تاریخ ساز شخصیت کا مختصر خاکہ شائع کر دیا کریں اور بچے اس شخصیت کو پہچانیں گے اور اس کی وجہ شہرت بھی بتائیں گے۔ مشہور شخصیات سے میری مراد ادب کے حوالے سے۔ سائنس کے حوالے سے ملکی و بین الاقوامی شخصیات ہیں۔ اور اس نئے سلسلے کو آپ "پہچانئے" کے عنوان سے جلد شروع کریں۔ شکریہ
شازیہ اشرف

(آپ کی تجویز پر انشاءاللہ جلدی عمل کی کوئی صورت نکالیں گے۔)

پیارے بھیا السلام علیکم
کل اچانک کتابوں کی دکان پر پھول مسکاتا دیکھا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا تو بچوں کا رسالہ تھا۔ میری چھوٹی بہن عمرین کو بھی بہت پسند آیا۔
حسن فاروق خار۔ باجوڑ

یہ رہے ان ساتھیوں کے نام جن کے خطوط جگہ کی کمی کے باعث شائع نہیں ہو پائے۔
علی گوہر چوہان کہروڑ پکا' شفیق الرحمان نوشہرہ فیروز' شازیہ اشرف شیخوپورہ' فرخ وسیم اختر' افضل جاوید گیلے والا' آصف علی تاؤ نٹو محمد خان' اورنگ زیب عالمگیر سٹھانڈی' نبیلہ ثقلین خانیوال' زاہد حشمت کراچی' حبیب جاوید اشرف گوجر خان' محمد اسد اللہ لاہور' یامین تھوخان چوکی' اصغر علی سکھیکی منڈی' نائلہ بختیار کوہاٹ' طیب لطیف حسین راولپنڈی' اسلم رضا لاہور' صفدر علی صفدر منڈی بچیانہ' سارہ ظفر اوکاڑہ' فرزانہ ناہید بٹ لودھراں' ایوب منظر گھوڑے شاہ' ایم عباس جہانیاں' عبدالرزاق شاہد قبولہ' تابندہ انجم صالح پیر محل' جاوید بریرہ علی پور' خاور جاوید چک 51 بھکر' مبشر احمد ملتان' لیاقت علی اڈہ ہلد' غلام مصطفیٰ طاہر سیوہ صائمہ روبی فیصل آباد' عظمیٰ بشیر لاہور' عنایت حسین ساقر داھرو' سرا انجم تمکین لاہور' فرحین انعام لاہور' ارجمند تمکین لاہور' نعمان قیصر وانش جلالپور بھٹیاں' شہریار احمد حسین ایبٹ آباد' فاروق ندیم میاں چنوں' رفعت بانو ننکانہ صاحب' شہزاد بابو غلام مجتبیٰ کمی سجاول سندھ' خالد محمود ننکانہ صاحب' الطاف حسین تبسم' بچیکی' محمد ذیشان فیصل آباد' رائے عبدالواحد بھٹی میاں چنوں' اقصیٰ طیب لاہور' زاہدہ ریلی سلطان پور حویلیاں' شکیل احمد صدیقی بھکھر۔

انتقام

ایس اے جاوید

کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آخر کون تھا؟ اگر ایک دو واقعات ہوتے تو یہی سمجھا جاتا کہ یہ کسی شریر لڑکے کی حرکت ہے۔ مگر یہاں تو بہت سے واقعات ہو چکے تھے۔ پورا ہفتہ گزر گیا تھا مگر لوگ تو لوگ پولیس بھی مجرم پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ بات تو شروع میں معمولی ہی تھی جب ایک مکان کے سامنے کھڑی کار کے چاروں پہیئے کسی نے پنکچر کر دیئے۔ کار کا مالک باہر کھیلتے ہوئے لڑکوں پر بہت بگڑا۔ مگر کسی نے اس بات کا اعتراف نہ کیا۔ کار کا مالک بے چارہ بکتا جھکتا اندر چلا گیا۔ ایک دو واقعات ہوتے تو لڑکوں کی ہی شرارت سمجھی جاتی۔ لیکن ہوا یوں کہ کالونی کی مارکیٹ، جو خاصی بڑی تھی، وہاں پارک کی ہوئی اکثر کاروں کے پہیئے پنکچر ہونے لگے۔ بات کالونی سے نکل کر شہر بھر میں پھیل گئی تھی۔ سارے شہر میں چرچا ہو گیا تھا مگر مجرم نہ پکڑا گیا۔ کاشف، عامر اور آصف آج تینوں بہت خوش تھے کیونکہ کل شام ان کے انکل طیّب انہیں ملنے آرہے تھے۔ شام کو وہ تینوں گھومتے ہوئے مارکیٹ تک جا نکلے۔ وہاں کار پارکنگ کے نزدیک کئی لوگ جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ چوکیدار کی موجودگی کے باوجود تین چار کاروں کے پہیئے پنکچر ہو چکے تھے۔ کاشف عامر اور آصف ٹہلتے ٹہلتے کاروں کی طرف چلے آئے اور ان کاروں کا جائزہ لینے لگے یکایک وہ چونک پڑے۔ سفید سرخ، براؤن، سیاہ اور سبز کاروں کے درمیان مختلف جگہ کھڑی وہ تینوں نیلی کاریں تھیں جن کے چاروں ٹائر پنکچر تھے۔" اس کا مطلب ہے کہ مجرم کو نیلی کاروں سے دشمنی ہے میں نے کہا۔ اچانک عامر نے کہا کہ طیّب انکل کو منع کر دینا چاہیے۔" کیوں؟" کاشف نے پوچھا۔" کیونکہ ان کی کار کا رنگ بھی نیلا ہے۔" یار میری سمجھ میں تو اب تک ٹائر پنکچر کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا آخر خالی ٹائر پنکچر کرنے کا کیا فائدہ؟" آصف نے کہا۔" پھر ایسا کرتے ہیں کہ انکل کو آنے دیتے ہیں تاکہ ان کی کار کی نگرانی کر کے چور کو پکڑا جا سکے۔" عامر نے مشورہ دیا۔" صحیح خیال ہے تمہارا۔" آصف نے اس کی تائید کی۔" پھر انکل طیّب کو کل رات کا کھانا ہمارے گھر ہی کھانا ہے۔ اس کا مطلب ہے کار دیر تک گلی میں کھڑی رہے گی چونکہ مجرم ہماری ہی کالونی کا ہے اور نیلی کاروں کا دشمن ہے اس لئے یقیناً وہ انکل کی کار پر بھی وار کرے گا۔

بس رنگے ہاتھوں ہم اسے پکڑ لیں گے" آصف نے کہا۔ اور پھر تینوں واپس کالونی لوٹ آئے۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا کھمبے کی ہلکی روشنی میں انکل طیّب کی نیلی کار نمایاں ہوئی اندر انکل طیّب کی پر لطف باتوں پر قہقہے لگ رہے تھے اور طرح طرح کے کھانے تیار ہو رہے تھے۔ مگر جب سے انکل طیّب آئے تھے وہ باہر گلی میں مختلف جگہوں پر چھپے کار پر پہرہ دے رہے تھے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد گلی میں اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے اور مجرم یقیناً گلی سنسان ہو جانے کا منتظر ہو گا اور پھر گلی بالکل سنسان ہو گئی۔ اب انہیں یقین تھا کہ مجرم ضرور نمودار ہو گا۔ مگر اسی وقت دوسری گلی سے ایک بچہ نکل کر آ گیا۔ انہیں اس وقت اس بچے پر بڑا غصہ آیا مگر دوسرے ہی لمحہ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی اس بچے کے ہاتھ میں لمبا سا ہتھیار تھا، آہستہ آہستہ وہ انکل طیّب کی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بچے نے ہاتھ میں پکڑا ہوا غالباً برف توڑنے والا سوا ہوا میں بلند کیا اور پوری قوت سے ایک ٹائر میں دے مارا۔ ہوا نکلنے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی تو انہیں ہوش آیا۔ تینوں تیزی سے آگے بڑھے اور بچے کو قابو میں کر لیا۔ بچہ ایک پھٹا ہوا کرتا پہنے اور ننگے پاؤں تھا۔ مجرم ہونے کے باوجود ان لوگوں کو اس بچے پر بڑا ترس آیا۔ کاشف نے پوچھا!" منے تم یہ سب کیوں کرتے ہو؟ بچہ بہت سہما ہوا تھا۔ آصف نے بھی اسے پیار کیا تو وہ ایک دم رو پڑا۔ پھر اس نے ہچکیوں میں بتایا میں بتایا کہ ایک نیلی کار نے میرے بابا کو کچل دیا تھا۔ نیلی کار کے پہیئے میرے بابا کے خون سے سرخ ہو گئے تھے اس لئے میں ان پہیوں کو پھاڑ دیتا ہوں۔ وہ روتے ہوئے بتا رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ میرے بابا برف بیچتے تھے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ بابا کے بعد ہم فاقے کرتے ہیں۔ بچے نے دوبارہ رونا شروع کر دیا۔" دیکھو منے زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ ہے۔" کاشف نے کہا! جس نے تمہارے ابا کو کچلا ہے اللہ اس کو ضرور سزا دے گا۔ آؤ تم ہمارے ساتھ آؤ اور دوبارہ یہ کام مت کرنا سمجھے بیٹے" پھر وہ اس کو گھر لے گئے اور اس کو پیٹ بھر کے کھانا کھلایا اور اس طرح یہ راز حل ہوا۔ صبح تمام اخبارات میں یہ خبر چھپی تو ایک نیک دل آدمی نے اس بچے اور اس کے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

کمائی

صالح محمد صدیق

رحیم ایک گاؤں میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس کی بیوی اور ایک بچہ بھی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ جب وہ اور اس کی بیوی بوڑھی ہو گئی، ان کا بیٹا جوان ہو چکا تھا لیکن تھا بڑا کام چور کسان کو یہ غم اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا کہ وہ جب کام کرنے سے لاچار ہو جائے گا تو گھر کا خرچ کس طرح چلے گا۔ تھک ہار کر ایک دن اس نے اپنے لڑکے کو پاس بلایا اور اسے کہا بیٹا۔ تم دیکھ رہے ہو میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ہاتھ پیر جواب دے گئے ہیں۔ اب تم کچھ کام کرو۔ کما کر لاؤ اور خود کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ۔

بیٹے نے باپ کی بات سنی اور اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اسے تمام بات سنا کر کہنے لگا۔ امی تم ہی بتاؤ میں کیا کروں میں کوئی کام نہیں کر سکتا اور نہ مجھ سے کوئی کام ہوتا ہے۔ ماں بولی گھبراؤ نہیں بیٹا میں تمہیں بتاتی ہوں تم کیا کرو۔

ماں نے اپنے بیٹے کو کچھ پیسے دیئے اور اسے کہا کہ تم سارا دن نظروں سے اوجھل ادھر ادھر چکر لگاؤ اور پھر آ کر باپ سے کہنا لو میں یہ کما کر لایا ہوں اور یہ پیسے اسے دے دینا۔

بیٹے نے پیسے لئے اور وہاں سے چلا گیا۔ دو چار گھنٹوں کے بعد واپس آیا اور آکر اپنے باپ کے سامنے ماں کے دیئے ہوئے پیسے رکھ دیئے اور بولا۔ یہ لو ابا جان میری آج کی کمائی۔

باپ نے پیسے اٹھائے انہیں اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی پر رکھ کر اچھالا۔ پھر غور سے دیکھا اور چولہے میں پھینک دیا۔

اور بولا "بیٹا یہ پیسے تمہاری کمائی کے نہیں ان پیسوں سے تمہارے پسینے کی خوشبو نہیں آتی"

دوسرے دن ماں نے بیٹے کو پھر پیسے دیئے اور کہا سارا دن گھر سے غیر حاضر رہنا اور باہر میدان میں جا کر خوب کھیلنا۔ جب تھک جاؤ تو گھر آنا اور یہ پیسے اپنے باپ کے سامنے رکھ دینا اور کہنا یہ لیجیے آج کی کمائی۔

بیٹے نے ایسا ہی کیا اور شام کو بیٹا تھکا ہارا گھر آیا اور آکر پیسے باپ کے سامنے رکھ کر بولا، لو ابا جان آج کی کمائی۔

باپ نے پہلے کی طرح پیسے اٹھائے انہیں انگوٹھے اور انگلی پر رکھ کر اچھالا، اس کے بعد انہیں سونگھا اور چولہے میں پھینک دیا اور بولا اس مرتبہ تم نے مجھے پھر دھوکا دیا ہے۔ ان پیسوں سے بھی تمہارے پسینے کی خوشبو نہیں آتی۔

آخر کار ماں نے تنگ آکر بیٹے سے کہا۔ بیٹا جاؤ کہیں جا کر محنت مزدوری کرو کوئی کام سیکھو اور چار پیسے کما کر لاؤ۔

کسان کا بیٹا گھر سے نکلا اور کام کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ اسے ایک کسان نے ترس کھا کر رکھ لیا۔ اسے کھیتوں میں کام کرنا سکھایا۔ اسے ہل چلانے کی ترکیب بتائی چند ہی دنوں میں کسان کا نکما بیٹا کام کرنے لگ گیا۔ ایک مہینے کے بعد جب اسے پیسے ملے تو وہ لیکر اپنے گھر واپس آیا اور تمام تنخواہ اپنے باپ کے سامنے رکھ دی۔ باپ نے تنخواہ اٹھائی اسے سونگھا اور چولہے میں گرا دیا۔ پیسے چولہے میں کیا گرے لڑکا اچھلا اور راکھ میں سے اپنے پیسے نکالنے لگا۔ وہ ساتھ ہی ساتھ کہتا جاتا تھا، میرے مہینے بھر کی کمائی تھی۔ آپ نے یہ کیا کیا۔

باپ ہنسنے لگا اور بولا۔ بیٹا۔ دیکھا یہ تمہارے پسینے کی کمائی تھی۔ اب تمہیں پتہ چلا کہ کس طرح کمایا جاتا ہے اور کمانا آسان نہیں مشکل ہے اور خون پسینے کی کمائی کو اگر دوسرا اڑائے یا گنوائے خواہ وہ باپ کیوں نہ ہو، کمانے والے کو برا لگتا ہے۔

"حضورؐ کا اخلاق"

غزالہ بنت فاطمہ

فرمان خداوندی ہے کہ "تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ بھلائی سے دو۔ تمہارا یہ عمل تمہارے جانی دشمن کو بھی تمہارا دوست بنا دے گا"۔ اس فرمان کی عملی تصویر سرکار دوعالمؐ کی عملی زندگی ہے۔ ہم انکی زندگی کے کسی بھی گوشے پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کی تمام تر زندگی اخلاقِ کامل کا مثالی نمونہ ہے۔

دشمنوں کے ساتھ انسانی اخلاق میں سب سے کمیاب اور نادر چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے درگزر ہے۔ دشمن سے انتقام لینا اگرچہ انسان کا قانونی حق ہے لیکن حضور اکرمؐ کی ذات اقدس نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا دن تھا لیکن جب آنحضورؐ کے خون کے پیاسے سامنے آئے، جنھوں نے آپؐ کو ہر طرح کی تکلیفیں دی تھیں، تو آپؐ نے انہیں یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

آنحضرتؐ اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے۔ دوسروں کی جس بات کی تعلیم دیتے پہلے خود اس پر عمل فرماتے۔ اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتے تھے اس کا عملی نمونہ اپنی ذات سے پیش کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ "آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا"۔ اس سلسلے میں قرآن کی گواہی یہ ہے کہ

انک لعلیٰ خلق عظیم ○ (القلم 4)

ترجمہ: اے محمدؐ تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔

اور ظاہر ہے کہ اخلاق کا دائرہ محض لطف و محبت اور تواضع و خاکساری تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی پوری معاشرتی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "حضورؐ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے" "برائی کے بدلے برائی نہیں کرتے تھے"، معاف کر دیا کرتے تھے، آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپؐ نے اپنے کسی خادم کو، عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست نہیں ٹھکرائی، آپؐ جب گھر میں آتے تو مسکراتے ہوئے آتے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،

"رسول اللہؐ بڑے نرم مزاج تھے، بہت مہربان اور رحم دل تھے، کوئی بات ایسی ہوتی جو آپؐ کو ناگوار لگتی تو خاموش ہو جاتے"۔

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں:

"میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ چٹائی پر لیٹے

ہوئے تھے اور آپؐ کے مبارک بدن پر اس کے نشان بن گئے تھے‘ میں نے عرض کیا۔ ”یارسول اللہؐ آپ اجازت دیجئے کہ ہم آپؐ کے لئے چٹائی پر بچھانے کے لئے گدا بنادیں“۔ حضورؐ نے فرمایا:

”مجھے دنیا سے کیا واسطہ‘ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے جو درخت کے سائے میں تھوڑی دیر آرام کرے اور پھر وہاں سے چل دے‘۔ یہ واقعہ بھی حضور کے حسن سلوک کا آئینہ دار ہے‘ زید بن سعنہ یہودی تھے روپے کالین دین کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے ان سے کچھ قرض لیا‘ رقم کی ادائیگی میں ابھی کچھ دن باقی تھے کہ وہ تقاضے کو آئے۔ حضورؐ کی چادر مبارک پکڑ کر کھینچی اور برا بھلا کہنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ وہ غصے سے بے تاب ہوگئے‘ ان سے کہنے لگے:۔

”اے اللہ کے دشمن! تو رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کرتا ہے‘ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا:۔

”عمرؓ! مجھے تم سے کچھ اور امید تھی اس شخص کو سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کروں‘۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا‘ ”جاؤ‘ اس کا قرض ادا کر دو اور اسکو بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے دو“۔ زید بن سعنہ پر حضورؐ کے اس طرز عمل کا ایسا اثر ہوا کہ مسلمان ہوگئے۔

آپؐ کا معمول یہ تھا کہ کسی سے ملتے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے کوئی شخص جھک کر آپؐ کے کان میں کوئی بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹالے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا۔ کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے‘ مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

ایک دفعہ آپؐ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے۔ واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیس کو ساتھ کر دیا۔ حضورؐ نے قیس سے کہا ”تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ“ انہوں نے بے ادبی کے خیال سے تامل کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”میاں‘ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ“۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔

حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خبابؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا۔ اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپؐ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔ یہ چند واقعات ہم نے بطور مثال کے نقل کئے ہیں ورنہ کتب سیرت اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں

ڈرامہ

جب سسلی فتح ہوا

پروفیسر فروغ احمد

امیر زیادت اللہ	والی مراکش
اسد بن فرات	قاضی القضاۃ اور پھر امیر لشکر
اسحاق ابن عامر	والی مراکش کا معاون خصوصی
سعد بن مختار	
سہیل اصفہانی	
میمون بن زبیر	لٹے ہوئے سمندری قافلے کے نمائندے
ابوالمکارم ابن ارشد	
پانچ (خبر رساں) مصر	موسیٰ بن طفیل کے مقررہ آدمی
موسیٰ بن طفیل	حاکم اطلاعات

علاوہ ازیں

مراکشی شہری، سرکاری خادم، رضا کار، حاجب دربار، قاصد، منادی، سپاہی، راوی، ....

(اور صوتی اثرات کے مختلف عوامل)

مقام: المغرب، بحیرہ روم اور سسلی ر زمانہ: 212ھ

لٹا ہوا قافلہ

(صبح کا صوتی اثر: پرندوں کی چہکار، اذان کے آخری کلمات)

اذان:

حی علی الصلوٰۃ

حی علی الصلوٰۃ

حی علی الفلاح!

حی علی الفلاح!

الصلوٰۃ خیرٌ من النوم

الصلوٰۃ خیرٌ من النوم

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

لا الٰہ الا اللہ!

قدرے وقفہ۔ پرندوں کی چہکار تیز تر۔ قدموں کی چاپ۔ دور سے عورتوں اور بچوں کی ملی جلی آوازیں۔ سواری کے قدموں کی ٹاپیں۔ آوازیں واضح سے واضح تر)

ایک شہری:۔ السلام علیکم

دوسرا شہری:۔ وعلیکم السلام

پہلا شہری:۔ بھائی صاحب یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کون لوگ ہیں؟

دوسرا شہری:۔ آپ کو معلوم نہیں، یہ بیروت اور اسکندریہ کی طرف سے آنے والا لٹا پٹا سمندری قافلہ ہے۔ گزشتہ شام یہ لوگ ساحل مراکش پر اترے ہیں اور اب دار الحکومت میں

داخل ہوئے ہیں۔
پہلا شہری:۔ چچ چچ چچ! افسوس............ وہ دیکھئے قافلے کے ایک بزرگ سرکاری خادم سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ آیئے ذرا سنیں وہ کیا کہتے ہیں۔
(دونوں لپکتے ہوئے اس طرف جاتے ہیں)
بزرگ:۔ (درد بھری آواز میں) بھائی' فجر کی اذان تو ہو چکی ہے۔ سامنے والی مسجد میں نماز کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ آہ!
سرکاری خادم:۔ جناب! قافلے کو پوچھنے سے پہلے پہلے سرکاری مسافر خانے میں اترنا ہے۔ نماز اکٹھے وہیں چل کر ادا کریں گے پھر صبح کو وہاں سے اپنی اپنی منزل پر روانہ ہونا ہے۔
پہلا شہری:۔ آیئے ذرا اس رضا کار سے کچھ حالات معلوم کریں (قدرے وقفہ) بھائی صاحب! کیا یہ وہی جزیرہ سسلی کے سمندری لٹیرے تھے جنھوں نے یہ ستم ڈھایا ہے۔
رضا کار:۔ جی ہاں! یہ وہی بے درد اور بزدل لٹیرے ہیں جو ہمارے آنے جانے والے جہازوں پر آئے دن چھاپہ مارا کرتے ہیں۔ وہ جو دائیں جانب اونٹ پر بیٹھی ہوئی اس بزرگ خاتون کو آپ بار بار آنسو پونچھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں ان کی دو جوان لڑکیوں کو بدمعاش اٹھا لے گئے۔ اور یہ صاحب جو سفید خچر پر سوار' ویران آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں' ظالموں نے ان کے دونوں بیٹوں کو ہلاک کر ڈالا۔ بہت سے کمسن بچوں کو بھی وہ اٹھا لے گئے۔ کس کس کا حال بیان کیا جائے اور کیا کیا بیان کیا جائے۔ اس مصیبت بھری داستان کو تو آپ سن بھی نہیں سکیں گے!
پہلا شہری:۔ پچھلے سال' واپس آنے والے حاجیوں کے جہاز پر بھی سسلی کے ان ناپاک بزدلوں نے اسی طرح چھاپہ مارا تھا
دوسرا شہری:۔ میرا خیال ہے یہ حرکت انھوں نے تیسری بار کی ہے جزیرہ سسلی کے ان لٹیروں کی دلیری اور سینہ زوری بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ سمندر کا سفر بے حد خطرناک ہو گیا ہے (قدرے تیزی سے) معلوم نہیں کیوں انھیں مہلت پر مہلت دی جا رہی ہے۔
پہلا شہری:۔ کیا والی مراکش زیادت اللہ کو اس کی خبر نہیں؟
رضا کار:۔ والی مراکش پوری طرح باخبر ہیں۔ اور انشاء اللہ ضرور وہ کوئی مناسب قدم اٹھائیں گے
دونوں شہری:۔ انشاء اللہ!..................

2 فریاد

(حاجب دربار کے قدموں کی چاپ)

حاجب دربار:۔ سرکار! تاجروں اور معزز شہریوں کی ایک جماعت باریابی کی اجازت چاہتی ہے
امیر زیادت اللہ:۔ اجازت ہے (حاجب واپس جاتا ہے) شاید یہ وہی مظلوم ہیں
(سعد بن مختار' سہیل اصفہانی' میمون بن زبیر اور ابوالمکارم بن ارشد داخل ہوتے ہیں)
یک آواز:۔ السلام علیکم یا والی مراکش! اللہ کی رحمتیں ہوں آپ پر!
امیر:۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آرام سے آپ حضرات یہاں بیٹھ جائیں اور اپنا اپنا حال احوال بیان کریں۔
(سب بیٹھ جاتے ہیں)
سعد بن مختار:۔ والی مراکش! میں سعد بن مختار ہوں۔ میرے تجارتی جہاز ہر قسم کا تجارتی سامان لے کر اندلس' افریقہ اور جزیرہ نمائے عرب کے درمیان جبل الطارق سے بیروت تک برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ راستہ پچھلے دو تین سال سے بے حد خطرناک ہو گیا ہے۔ اس دفعہ یمن کی چادروں' ریشمی کپڑے کے تھانوں اور دوسرے بہت سے تجارتی سامان سے لدا ہوئے میرا ایک جہاز' سفینہ ہلال' پر سسلی کے ظالم قزاقوں نے چھاپہ مارا اور سب کچھ لوٹ لے گئے۔ میرے سات وفادار خادموں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ مجھے اپنے مال تجارت کے لٹ جانے کا اتنا غم نہیں ہے سرکار.............. جتنا............ جتنا اپنے ان سات جاں نثار ساتھیوں کا صدمہ ہے۔

☆...... ایک بچی رو رہی تھی ایک بوڑھی عورت اس کے پاس آئی اور کہا کہ "بیٹا رونے سے چہرا بھیانک ہو جاتا ہے۔" بچی نے سر اٹھا کر بولی' تم بھی بہت روتی ہو کیا؟

(سارہ حسین سید۔ حیدر آباد)

امیر:۔ صبر! سعد بن مختار! صبر! مظلوموں کا خون انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا.......
سہیل:۔ خادم کو لوگ سہیل اصفہانی کہتے ہیں
امیر:۔ اچھا! اصفہان کی بیش قیمت فولادی تلواروں کے مشہور تاجر سہیل اصفہانی!
سہیل:۔ سرکار! میں اور میرے ساتھی تلواریں سونت سونت کر مظلوموں کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن......م...... میری ڈیڑھ ہزار...... اعلیٰ درجے کی ڈیڑھ ہزار تلواریں' مذہب اسلام کے وہ دشمن لوٹ لے جانے میں کامیاب ہو گئے...... افسوس!
امیر:۔ اسلام کے وہ دشمن بڑے بزدل ہیں سہیل۔ اصفہان کی یہ فولادی تلواریں سسلی کے بزدلوں کو بہادر نہیں بنا دیں گی! فولادی کلائیاں وہ کہاں سے لائیں گے۔ شیروں کا وہ دل کہاں سے لائیں گے جو نور ایمان سے معمور سینوں میں دھڑکتے ہیں۔ سہیل! بزدلوں کے ہاتھ صرف عورتوں اور بچوں پر دراز ہوتے ہیں اور ہم ان ہاتھوں کو مروڑنا جانتے ہیں!
میمون:۔ خادم میمون بن زبیر ہے۔ میرے کل تین جہاز ساحل شام سے ساحل المغرب تک مسافروں اور حاجیوں کو لانے' لے جانے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بہت سے اہل خاندان اب بھی وادی نیل میں آباد ہیں...... میں اپنے بال بچوں کے ساتھ برس ہا برس سے یہاں غازیوں کی اس سرزمین میں سکونت پذیر ہوں جہاں سرکار کے زیر سایہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔
امیر:۔ میمون! اللہ کی ساری زمین مومن کا وطن ہے۔ ہاں! کہئے' آپ کیا کہہ رہے تھے......
میمون:۔ میرا مسافر بردار جہاز "سریع السیر" بھی سسلی کے ان لٹیروں کی زد میں آیا میں بیان نہیں کر سکتا سرکار! کہ...... کہ وہ کتنا...... اندوہناک منظر تھا...... اف میرے معبود!...... سسلی کے ان...... بز...... بزدل...... درندوں نے......
امیر:۔ صبر! میمون! صبر! ان اللہ مع الصابرین۔ میں سمجھ گیا کہ اپنے مظلوم مسافروں کی المناک داستان بیان کرنے کیلئے مناسب الفاظ آپ کو نہیں مل رہے ہیں۔ اللہ اپنے عاجز بندوں پر رحم فرمائے۔
ابوالمکارم:۔ امیر محترم! اگرچہ میرے دونوں بیٹے مسلمان کی ناموس کو بچاتے ہوئے اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے مگر ابوالمکارم ابن ارشد اس بڑھاپے میں بھی انشاء اللہ اس عظیم صدمے کو برداشت کر لے گا۔ میری اب یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سسلی کو ان پلیدوں سے آزاد کرانے کی سعادت عطا فرمائے۔
تمام حاضرین:۔ آمین! آمین!!
امیر:۔ ابوالمکارم ابن ارشد! اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے! میں آپ کے اس قابل رشک حوصلے سے بے حد متاثر ہوا ہوں (وقفہ) میرے بھائیو! اللہ کا سپاہی' جوان ہو یا بوڑھا' بہرحال اللہ کا سپاہی۔ مراکش کے قاضی القضاۃ' اسد بن فرات سے لے کر جوان بیٹوں کا صدمہ سہنے والے ابوالمکارم تک' ہر مسلمان' وقت آنے پر' انشاء اللہ بتا دے گا کہ ع مومن

ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی...... اچھا! اب آپ لوگ جا کر آرام کر سکتے ہیں اللہ ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔

(سعد، سہیل، میمون، ابوالمکارم اٹھتے ہیں)

چاروں: ۔ السلام علیکم! (جاتے ہیں)

امیر: ۔ وعلیکم السلام! فی امان اللہ۔ (وقفہ: جانے والوں کے قدموں کی مدھم پڑتی ہوئی آواز)

اسحاق بن عامر!

اسحاق: ۔ فرمایئے امیر محترم!

امیر: ۔ اسحاق: ظلم و زیادتی اور فتنہ و فساد حد سے بڑھتا جا رہا ہے۔ نامہ و پیام کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ مہلت کی بھی ایک حد ہوتی ہے اب ہم ان ظالموں کو مزید ہاتھ پاؤں پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ سمندری شاہراہ کو اللہ کے بندوں کیلئے بے خطر بنانے کی خاطر ہمیں جو کچھ بھی کرنا پڑے۔ انشاء اللہ کریں گے تم امیر المومنین ماموں الرشید کے نام قاصد کو خط دے کر آج ہی بغداد روانہ کرو۔

اسحاق: ۔ حکم کی فوری تعمیل ہوگی امیر محترم!

امیر: ۔ اور موسیٰ بن طفیل کہاں ہیں؟

موسیٰ بن طفیل: ۔ خادم حاضر ہے، امیر محترم (سامنے آتا ہے)

امیر: ۔ تم اپنے آٹھ دس آدمیوں سے کہو کہ شام کے عیسائی مبلغوں کے لباس میں فی الفور ساحل سسلی پر اترنے کی کوشش کریں۔ اور وہاں کے مفصل حالات سے ہمیں جلد از جلد باخبر کریں۔ تین مہینے کے اندر اندر!

موسیٰ: ۔ انشاء اللہ! اس حکم کی فوری تعمیل ہوگی امیر محترم!

امیر: ۔ اسحاق

اسحاق: حکم جناب

امیر: ۔ کیا قاضی القضاۃ اسد بن فرات درس حدیث کے مشغلے سے فارغ ہو سکیں گے؟ وہ عالم باعمل ہیں اور اس معاملے میں شاید اب ہمیں بطور خاص ان کی ضرورت ہو۔ اس کا خیال رہے

اسحاق: انشاء اللہ بروقت اس کا انتظام ہو جائے گا امیر محترم

(............ تین ماہ کا طویل وقفہ)

راوی: ۔ تین ماہ کے اندر اندر مراکش کے طول و عرض میں ظالموں کے خلاف جہاد کا چرچا عام ہو گیا گھروں میں بازاروں میں مسجدوں میں مدرسوں میں محفلوں میں ہر جگہ زیادہ تر اسی کا چرچا تھا۔ قاضی القضاۃ اسد بن فرات بھی اپنے حلقہ درس میں بطور خاص جہاد کے موضوع پر زور دے رہے تھے۔

3 حلقہ درس

قاضی اسد بن فرات: ...... عزیز شاگردو! یہ حدیث اتنے معتبر راویوں سے بیان ہوئی ہے کہ اس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ اسوۂ رسولؐ اور سیرت صحابہؓ سے بھی یہ بات روشن ہے کہ بے سروسامانی کی حالت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ کی قرآنی تعلیمات کی تعمیل، دل و جان سے کی گئی اور اس کار عظیم میں اللہ نے اپنے بے سروسامان بندوں کی اسی لئے مدد فرمائی کہ دنیا کو وہ فتنہ و فساد سے پاک کرنے کیلئے اٹھے تھے۔ پہلی بار انہوں نے بتایا کہ جہاد خونریزی نہیں ہے۔ خونریزی کے اسباب کو مٹانے کا آخری طریقہ ہے۔ پہلی بار اسلام نے سپاہی کو ایک کردار دیا۔ جنگ کو ایک تہذیب دی۔ دنیا اس سے ناآشنا تھی کہ جس ہاتھ میں تلوار ہو۔ اسے خداترس اور مہذب سپاہی کا ہاتھ ہونا چاہئے۔ اس کے سائے میں مظلوم کو پناہ ملنی چاہئے۔ اس کی خیر و برکت سے تہذیب و شائستگی کی آبیاری ہونی چاہئے۔ اسلام ظلم کی تلوار کو توڑتا ہے اور مرد مومن کو شمشیر زنی کے اخلاقی آداب سکھاتا ہے۔ تاکہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ ہو۔ اور اللہ کی زمین پر اللہ کے بندے آدمی بن کر رہ سکیں بھائی چارے کے رشتے سے ان کے دل آپس میں جڑے ہوئے ہوں۔ دنیا میں اگر پچاس سال یا ساٹھ سال یا سو سال بھی جی لئے تو کیا ہوا ایک نہ ایک دن تو یہ چند روزہ زندگی ختم ہو کر رہتی ہے۔ لیکن جب یہی چند روزہ زندگی اللہ کی راہ میں قربان ہو جاتی ہے تو رضائے الٰہی کی بدولت ابدی اور لازوال بن جاتی ہے۔ عزیزو! اگر ہم نے قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے یہ سبق نہیں سیکھا، تو...... گویا کچھ بھی نہیں سیکھا۔ ہمارا مقصود حیات نہ ملک و مال ہے، نہ جاہ و جلال۔ یہ دنیوی انعامات بھی مومن کو اسی صورت میں راس آتے ہیں جب دل رضائے الٰہی کی آرزو سے سرشار ہو۔ ہمارا مقصود حیات تو یہ ہے اور فقط یہ! میرے عزیزو!!......

باقی آئندہ

کون سا ایک اکیلا؟

ہاتھی تو آپ نے ضرور دیکھے ہوں گے مگر ہاتھی کے اتنے سارے بچے اور وہ بھی اکٹھے اٹھکھیلیاں کرتے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے لیجئے منظر ہم آپ کو دکھا دیتے ہیں۔
آپ صرف اتنا کریں کہ ان میں جو ایک جیسے ہیں ان کے تو جوڑے بنالیں اور ہمیں یہ بتلایئے کہ ان میں سے کون ہے ایک اکیلا کہ جس کا دوسرا ساتھی نہیں مل رہا۔
جواب درست ہونے کی صورت میں چھ ماہ کیلئے "پھول" آپ کو تحفے کے طور پر ہم بھجوانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس ماہ کی 12 تاریخ تک جواب ضرور بھجوا دیں۔ جواب میں ایک سادے صفحے پر اپنے نام و پتے کے ساتھ اکیلے ہاتھی بچے کا نمبر ہی لکھئے گا۔

مجھ سے ملیے

☆......میرا نام غلام مرتضیٰ ڈوگر ہے۔ میں کلاس نہم کا طالب علم ہوں۔ میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ نعمانیہ ہائی سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر لیکچرار بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں لوگوں کی خدمت کروں۔ قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے سی/او محمد رمضان وحید فیض مارکیٹ نزد گورنمنٹ گرلز ماڈل سکول کمالیہ پی سی 36350
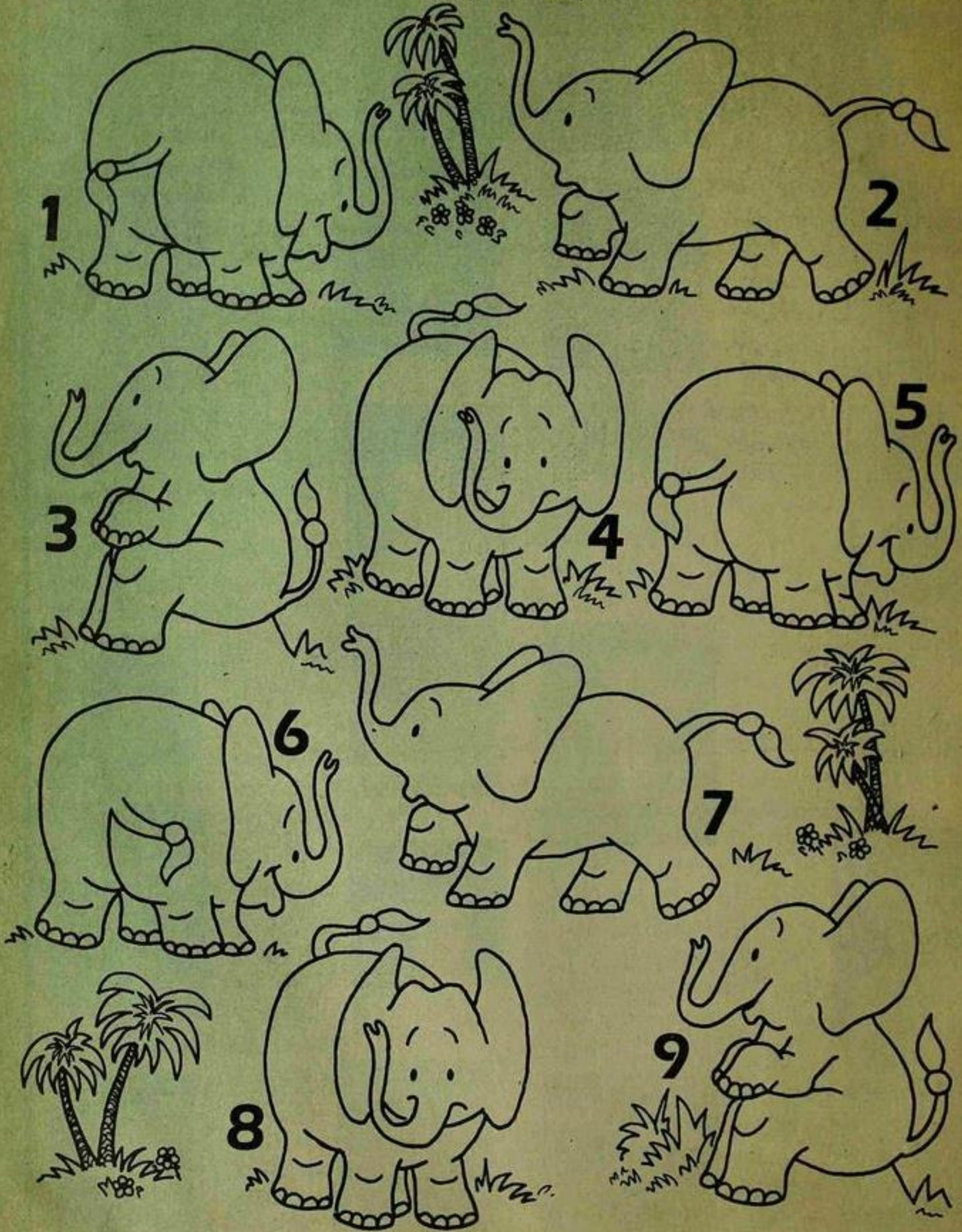
☆......میرا نام خالد محمود ہے میں کلاس سیکنڈ ائیر کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ کالج ملتان ہے میں بڑا ہو کر جج بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے حافظ جمال روڈ مین روڈ شریف پورہ بالمقابل مسلم کنڈر گارٹن سکول مسلم کالونی ملتان۔

☆......میرا نام سید محمد علی عباس شیرازی ہے۔ میں کلاس نہم کا طالب علم ہوں۔ میرے تعلیمی ادارے کا نام کینٹ ہائی سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ ملک و قوم کی خاطر جان قربان کر دوں۔ قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے سید محمد علی عباس شیرازی 135 کینال کالونی بہاول پور

☆......میرا نام محمد محسن رضا گوندل ہے میں کلاس سیکنڈ ائیر کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ کالج سرگودھا ہے میں بڑا ہو کر مزاح نگار بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے عوامی ریڈیو ہاؤس نزد مسجد کھجوروالی للیانی ضلع سرگودھا پوسٹ کوڈ 40440

☆......میرا نام محمد نواز ہے میں کلاس دہم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول ہے میں بڑا ہو کر سیاستدان بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے ملک کی عوام کے کام آسکوں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے محمد نواز مکان نمبر 2/149 گلی نمبر 2 محلہ عثمانیہ (گاندھی) ضلع گجرات تحصیل پھالیہ منڈی بہاؤالدین

☆......میرا نام حافظ محمد نادر ہے میں کلاس ہشتم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام ایم سی بوائز مڈل سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر آرمی آفیسر بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ تمام احمدی اور نامسلم مسلمان بن جائیں۔ قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے محمد علی شاکر خان سٹریٹ طارق روڈ مسلم گنج شیخوپورہ

☆......میرا نام بدر صدیق ہے میں کلاس آٹھویں کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول ہے میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ ملک اور قوم کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے اعجاز میڈیکل سٹور منڈی بازار پاک پتن شریف

☆......میرا نام سلیم اختر لغاری ہے میں کلاس ہفتم (اے) کا طالب علم ہوں۔ میرے ادارے کا نام سٹی ہائی سکول ڈیرہ غازیخان ہے۔ میں بڑا ہو کر انجینئرنگ کرنے کے بعد سی ایس پی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا پتہ یہ ہے سلیم اختر لغاری سی/او محمد اختر لغاری بارڈر ملٹری پولیس ڈیرہ غازیخان

☆......میرا نام عبدالبصیر چغتائی ہے میں کلاس ہشتم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ سٹی ہائی سکول ہے میں بڑا ہو کر پروفیسر بننا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ میں قوم کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے عبدالبصیر چغتائی سی/او حکیم غوث بخش صاحب (مرحوم) بلاک (ڈبلیو) مکان نمبر 12 ڈیرہ غازی خان (شہر)

☆......میرا نام اطہر علی ملک ہے۔ میں کلاس نہم کا طالب علم ہوں۔ میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ (ن) تعمیر نو ہائی سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں ملک و قوم کی خدمت کروں۔ قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے۔ صابر علی ملک مکان نمبر بی/1886 باغ حیات علی شاہ ضلع سکھر

☆......میرا نام محمد احسان جاذب ہے میں کلاس ہفتم اے کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ اسلامیہ مڈل سکول پتوکی ہے میں بڑا ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں قوم کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے محمد احسان جاذب گلی مسجد رضاوالی مین بازار نئی منڈی پتوکی

☆......میرا نام محمد عمر نصیر ہے میں کلاس نویں سائنس کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول ہے میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ پاکستان میں امن ہو قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے معرفت ڈاکٹر نصیر احمد پیر محل ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

مُجھ سے ملیے

☆......میرا نام صابر حسین ہے میں کلاس نہم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول ہے میں بڑا ہو کر پولیس مین بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے والدین کو حج کراؤں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے صابر حسن معرفت تاج محمد اخباری ایجنٹ محلہ سرہند کالونی مکان نمبر 134/2 گلی نمبر 2 ٹوبہ ٹیک سنگھ

☆......میرا نام شیراز حسن بھٹہ ہے میں کلاس ہفتم کا طالب علم ہوں میں بڑا ہو کر وکیل بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ ملک و قوم کی خدمت کروں۔ قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے مکان نمبر بی-323VI معرفت فدا حسین بھٹہ محلہ شیخ پورہ مظفر گڑھ۔

☆......میرا نام محمد الیاس تجگی ہے میں کلاس ہفتم اے کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ اسلامیہ مڈل سکول ہے میں بڑا ہو کر فوجی بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے ملک کی حفاظت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے گلی مسجد مینار والی نئی منڈی پتوکی مکان نمبر 37/11

☆......میرا نام آصف نوید رانجھا ہے میں کلاس ہفتم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول گوجرہ ہے میں بڑا ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے ملک پہ قربان ہو جاؤں قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے چودھری محمد یار رانجھا آف گوجرہ ضلع گجرات تحصیل پھالیہ ڈاک خانہ گوجرہ

☆......میرا نام شیراز امین ہے میں آٹھویں کلاس کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں۔ قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے محمد امین اختر آئرن سٹور کمالیہ

☆......میرا نام طارق شاہ راجہ ہے میں کلاس ہشتم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول ہے۔ میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ قوم کی خدمت کروں۔ قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے۔ گورنمنٹ ہائی سکول آبسر تربت مکران بلوچستان

☆......میرا نام عمر دراز احمد صدیق ہے میں کلاس ہشتم بی کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول سکھیکی منڈی ہے میں بڑا ہو کر فوجی افسر بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں ملک و قوم کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے شاہین ٹائر ورکس نزد بجلی گھر محلہ لطیف آباد سکھیکی منڈی

☆......میرا نام فرخ عابد ہے۔ میں کلاس دوئم کا طالب علم ہوں۔ میرے تعلیمی ادارے کا نام ڈویژن ماڈل سکول فیصل آباد ہے میں بڑا ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں گاڑی چلانا سیکھوں قلمی دوستی کے لئے میرا پتہ یہ ہے جناح کالونی مین گیٹ کپور تھلہ ہاؤس فیصل آباد

☆......میرا نام ایم عباس ہے میں کلاس آٹھویں کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول جہانیہ ہے میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ کشمیر پاکستان بن جائے قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے ایم عباس معرفت حاجی رحمت اللہ فرنیچر ہاؤس گول مارکیٹ جہانیاں منڈی ضلع خانیوال۔

☆......میرا نام محمد اکرم اشرف ہے میں کلاس ہشتم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام ایس ٹی پیٹرز کیمبرج سکول ہے میں بڑا ہو کر اچھا انسان بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ پاکستان کا بچہ بچہ نماز پڑھے۔ قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے محمد اکرم اشرف مکان نمبر 187 LDA گوپال نگر لاہور

☆......میرا نام محمد مالک مسعود بھٹہ ہے میں کلاس دہم (اے) سائنس گروپ کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام گورنمنٹ ہائی سکول نظام آباد ہے میں بڑا ہو کر فوجی ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میری بڑی خواہش ہے کہ میں بڑا ہو کر قوم اور ملک کی خدمت کروں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے معرفت محمد مسعود بھٹہ آلہ آباد ڈاک خانہ نظام آباد تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

☆......میرا نام سلیم خان آفریدی ہے میں کلاس ششم کا طالب علم ہوں میرے تعلیمی ادارے کا نام شمس گورنمنٹ سکول ہے میں بڑا ہو کر فٹ بال کا کھلاڑی بننا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں ملک کا نام روشن کر سکوں قلمی دوستی کیلئے میرا پتہ یہ ہے مسلم خان آفریدی اسد بکسیرز، علی نگر سیکٹر ایف۔ 4 اورنگی ٹاؤن کراچی 41 کوڈ 75800

تاریخ کا پیریڈ

نعیم بلوچ

"جوآد علی" ...... حاضری کے دوران باری آنے پر ماسٹر صاحب نے اس کا نام لیا، لیکن جواب میں مکمل خاموشی رہی...... صدیقی صاحب نے دوبارہ نام پکارا...... "جوآد علی" وہ جوآد کو ڈسک پر بیٹھے دیکھ رہے تھے اور صدیقی صاحب ان اساتذہ میں سے نہیں تھے جو طالب علم کو متوجہ نہ پاکر، اس کی غیر حاضری لگا کر آگے بڑھ جاتے ہیں، وہ اسے متوجہ کیے بغیر اگلا نام نہیں پکارتے تھے۔ انہوں نے تیسری بار ذرا زور سے کہا...... "جواد......"

جواد کے پیچھے بیٹھے راشد نے اسے ٹھوکا دیا، وہ یوں ہڑبڑایا جیسے اسے گہری نیند سے جگایا گیا ہو۔

"یس...... یس...... سر" اس کی بوکھلاہٹ سے کئی لڑکے ہنس پڑے۔

"جواد بیٹے، خیریت تو ہے...... کہاں کھوئے ہوئے تھے آپ؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سر...... وہ میں......" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ راشد نے کہا:

"سر یہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا"...... وہ شاید ابھی اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن صدیقی صاحب نے اسے ٹوک دیا......

"راشد! آپ خاموش رہیں، جواد خود بتائے گا......"

اس وقت تک جواد اپنی بدحواسی پر قابو پا چکا تھا۔ وہ بولا: "سر! دراصل یہ میرے ابو کی پرانی ڈائری ہے۔ اس کے بہت سے صفحے خالی تھے۔ میں نے ان کی اجازت سے اسے اپنے رف استعمال کے لئے رکھ لیا...... جب آپ حاضری کے لئے نام پکار رہے تھے تو اس کے ایک صفحے کو پڑھنے میں اتنا محو ہوا کہ بالکل یاد نہ رہا کہ آپ حاضری لے رہے ہیں......"

صدیقی صاحب نے "اچھا" کہا اور دوبارہ حاضری لینے میں مصروف ہو گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے دوبارہ جواد کو پکارا......:

"جواد بیٹے، تمہارے ابو نے تمہیں جو ڈائری دی ہے، وہ تمہیں سکول نہیں لانی چاہئے تھی۔ کسی کی ذاتی ڈائری ایسی جگہ نہیں لانی چاہئے، جہاں اسے کوئی دوسرا پڑھ سکتا ہو......"

"نہیں سر! یہ ڈائری خالی ہے۔ ابا جان نے اس میں کچھ نہیں لکھا۔ میں تو اس میں چھپا ہوا ایک صفحہ پڑھ رہا تھا، جو سقوطِ غرناطہ کے بارے میں تھا۔" جواد نے قدرے تفصیل سے بتایا۔

"سقوطِ غرناطہ؟ اچھا! بھلا سناؤ تو کیا لکھا ہے!" صدیقی صاحب نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

جواد نے پڑھنا شروع کیا:

"3 جنوری 1492ء کو سقوط غرناطہ سے اندلس میں مسلمانوں کے ساڑھے سات سو سالہ دور کا خاتمہ ہو گیا...... محاصرے سے تنگ آ کر غرناطہ کے آخری حکمران ابو عبداللہ نے عیسائی حملہ آور فرڈی نینڈ سے خفیہ معاہدہ کر لیا...... لیکن مسلمانوں کے بہادر جرنیل نے اس معاہدے کی سخت مخالفت کی۔ مگر ابو عبداللہ ہمت ہار چکا تھا۔ اس طرح غرناطہ کی فتح کے ساتھ ہی اندلس میں مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا......"

یہاں تک پڑھ کر جواد رک گیا۔ لگتا تھا کہ غم اور رنج سے اس کی آواز حلق سے نہیں نکل رہی۔ بہت سارے لڑکوں کے لئے تاریخ کی یہ بات بالکل نئی تھی۔ زاہد نے سب سے پہلے سوال کیا......

"سر! اس طرح کا واقعہ ہم نے تو اپنی کتابوں میں کبھی نہیں پڑھا...... کیا واقعی یہ سچ ہے؟"

"ہاں بھئی، یہ تاریخ کی ایک تلخ حقیقت ہے۔ آپ انشاءاللہ آگے چل کر پڑھیں گے۔"

"لیکن سر! ہمیں اس وقت مختصر طور پر ہی اس واقعے کے متعلق کچھ بتا دیجئے۔" راشد نے درخواست کی۔

صدیقی صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگے:

"طارق بن زیاد کے متعلق آپ کچھ جانتے ہیں؟"

نعمان نے بتانا شروع کیا: "طارق بن زیادہ کو فاتح سپین کہا جاتا ہے...... اس نے اپنی مختصر فوج کے ساتھ راڈرک کی فوجوں کو جبرالٹر کے مقام پر شکست دی۔ اس شکست کے بعد مسلمانوں کے لئے سپین فتح کرنا آسان ہو گیا۔"

"لیکن سر، نعمان نے اس مشہور واقعے کا ذکر نہیں کیا کہ جب طارق بن زیاد نے جبرالٹر (جس کا نام جبل الطارق رکھ دیا گیا تھا) پر اپنی فوجیں اتاریں تو راڈرک کے ساتھ مقابلے سے پہلے ان کشتیوں کو جلانے کا حکم دیا، جس پر فوج سوار ہو کر آئی تھی۔ اس نے اپنی مختصر سی فوج کو کہا کہ تمہارے سامنے دشمن ہے اور پیچھے سمندر۔ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، اس لئے اب

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم زندہ بچنے کے لئے دشمن کو شکست دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا..... آٹھ دن تک جنگ ہوتی رہی..... آخر کار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے لئے سپین کے دروازے کھل گئے۔" یہ تفصیل جواد نے بتائی تھی۔

لیکن سر! جواد نے ڈائری سے جو صفحہ پڑھا تھا' اس میں تو اندلس کا ذکر تھا۔ مگر طارق بن زیاد نے تو سپین فتح کیا تھا۔ ان دونوں ملکوں کا آپس میں کیسا تعلق؟" راشد نے اپنی الجھن بیان کی۔

"سپین کو عربی میں اندلس بھی کہتے ہیں اور ہسپانیہ بھی"۔ یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔ پھر بولے..... "عزیز طلباء! سپین ہماری تاریخ کا انتہائی دردناک باب ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسا صرف سپین میں ہی ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے سے اس خطے سے اسلام کا ہی خاتمہ ہو گیا۔ اب وہاں مسلمانوں کی تعمیر کردہ مساجد تو ہیں لیکن ان میں اذان دینے والا اور نماز پڑھنے والا کوئی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے قائم کئے ہوئے عظیم مدرسے اور یونیورسٹیاں تو ہیں لیکن اب وہاں کوئی مسلمان طالب علم نہیں..... مسلمانوں کی تعمیر کردہ خوبصورت عمارتوں میں اب ماضی کی کربناک یادوں کے سوا کچھ نہیں ملتا....."

الحمراء: سیاحوں کی جنت

کلاس میں سناٹا چھا گیا۔ سارے لڑکے بت بنے ماسٹر صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خاموشی کو صدیقی صاحب نے ہی توڑا۔ "سپین میں اسلامی حکومت کا قیام تو طارق بن زیاد کی فتح کے بعد ہی ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کے سنہرے دور کا آغاز 752ء میں ہوا۔ اس سال عبدالرحمٰن الداخل سپین کے حکمران بنے۔ ان کے دور میں سپین نے بے پناہ ترقی کی۔ یہ ترقی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ عبدالرحمٰن کے بیٹوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رعایا کی خدمت کا فرض بڑی ایمانداری سے نبھایا۔ عیسائی مورخین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ کا کوئی ملک اس زمانے میں اتنا خوشحال نہ تھا جتنا کہ سپین تھا۔ یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے اور ان کے بعد سپین پھر کبھی اتنی ترقی نہ کر سکا جتنی اس نے مسلمانوں کے دور میں کی۔ کسی ملک کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس نے علم و فن میں کتنی ترقی کی۔ چنانچہ جدید علم تاریخ کے بانی ابن خلدون' عظیم عالم دین ابن حزم اور فن حدیث کے مشہور عالم ابن الخطیب اور ابن ماجہ' علم جغرافیہ میں طول بلد اور عرض بلد کے موجد الادریسی' عظیم فقیہہ اور فلسفی ابن رشد' نظام دوران خون دریافت کرنے والے اور جراحی کے بہت سے آلات کے موجد ابوالقاسم الزہروی' ان سب کا تعلق اسلامی سپین سے تھا۔ علمی ترقی کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگائیں کہ پورے یورپ سے لوگ سپین کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ اس زمانے میں عربی زبان کو سیکھنا اتنا ہی ضروری اور مفید خیال کیا جاتا تھا جتنا کہ اس زمانے میں ہم انگریزی زبان کے متعلق

باپ: بیٹے سے کیوں بیٹا پیدل چلیں یا کسی سواری پر؟
بیٹا: معصوم صورت بناتے ہوئے آپ کی مرضی ویسے اگر پیدل چلنا ہے تو مجھے گود میں اٹھالیں۔

(آصف احمد نوآباد کراچی)

سمجھتے ہیں۔ سپین کے علماء کی لکھی ہوئی کتابیں کئی سالوں تک پیرس یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی رہیں۔ کاغذ اور گھڑیوں کی صنعت کو اسی زمانے میں ترقی ملی۔ زراعت کے میدان میں بے پناہ ترقی کے علاوہ چاول' کپاس' گنا اور کھجور کو سپین میں پہلی دفعہ کاشت کیا گیا۔ طب و جراحی میں سپینی مسلمان اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ مثانے کی پتھری کو اپریشن کے ذریعے نکالا جاتا تھا۔ شہروں کی ترقی کا عالم یہ تھا کہ قرطبہ اور غرناطہ کی تعمیرات کو دیکھنے دور دور سے سیاح آتے تھے۔ اب بھی غرناطہ کے محل الحمراء اور قرطبہ کی جامع مسجد سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بنے رہتے ہیں۔" صدیقی صاحب تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئے تو عرفان نے سوال داغ دیا:

"سر' کیا اب بھی سپین میں مسلمانوں کے قائم کردہ یہ شہر موجود ہیں؟"

صدیقی صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے "سپین کی فتح کے بعد عیسائی حملہ آوروں نے وحشت و بربریت کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ انہوں نے نہ صرف عمارتوں اور باغوں کو تہس نہس کیا' بلکہ لائبریریوں اور مدرسوں کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا۔ حملہ آوروں نے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو تباہ کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی۔ معمولی معمولی باتوں پر انہیں اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ انکار کرنے پر انہیں قتل کر دیا جاتا۔ مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ سپین کی عیسائی عدالتیں مسلمانوں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیتی رہیں۔ اپنی فتح کے ایک سو سال تک سپین کے حکمران مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم ڈھاتے رہے۔ آخر 1610ء میں تمام مسلمانوں کو سپین سے باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بے سروسامانی کے ساتھ افریقہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ایک عیسائی مورخ نے خود یہ لکھا ہے کہ 1610ء تک تقریباً تیس لاکھ مسلمانوں کو سپین سے باہر نکالا گیا اور اس طرح اس ملک سے مسلمانوں کا وجود ختم کر دیا گیا....."

اکثر لڑکے غصے کے عالم میں مٹھیاں بھینچ رہے تھے۔ بعض لڑکے غصے سے کانپ رہے تھے' کچھ کے تو آنسو نکل آئے تھے۔ کلاس میں تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ نعمان کے سوال نے اس خاموشی کو توڑا.....

"سر' مسلمانوں کے اس زوال کی آخر کچھ تو وجہ ہو گی' ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عیسائیوں نے سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو شکست دی۔ اس ذلت کی وجہ مسلمانوں کی اپنی غلطیاں بھی تو ہوں گی"

"تم نے بالکل صحیح کہا نعمان بیٹے' مسلمانوں کو شکست اسی وقت ہوتی ہے' جب وہ اپنے آپ کو شکست کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اندلس کے مسلمانوں کی شکست کی وجہ مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی اور ان کی آسان پسندی تھی اور ان خامیوں کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس دین پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا' جس دین پر عمل کر کے انہوں نے سپین پر فتح حاصل کی تھی۔ سپین پر چونکہ مختلف قوموں اور قبیلوں کی حکومت رہی تھی' اس لئے مسلمان عربی' بربری' ترکی اور بہت سی قوموں میں بٹ چکے تھے۔ چنانچہ جب سپین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو گیا تو ارد گرد کے عیسائیوں نے مل کر باری باری ان چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مسلمان جس قدر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے' عیسائی اس قدر متحد ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ انتہائی متعصب عیسائی حکمران فرڈی نینڈ نے تمام عیسائی ملکوں کو اکٹھا کر لیا اور اس طرح غرناطہ کے علاوہ باقی تمام مسلم ریاستوں پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ غرناطہ کے مسلمانوں نے دو سو سال تک عیسائیوں کا مقابلہ کیا لیکن ایک مرتبہ پھر ان کی آپس کی

نا اتفاقی نے دشمن کی فتح کے راستے ہموار کر دیئے۔ غرناطہ کے حکمران ابوالحسن ایک بہادر مسلمان تھے۔ 880ھ میں جب فرڈی نینڈ نے ابوالحسن سے خراج کا مطالبہ کیا تو اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اس وقت غرناطہ میں سونے کے سکوں کے بجائے تلواریں بن رہی ہیں، جن سے ہم دشمنوں کی گردنیں کاٹیں گے۔ چنانچہ دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ابھی مسلمانوں کی فتح مکمل ہی ہوئی تھی کہ ابوالحسن کے بیٹے ابو عبداللہ نے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ باپ بیٹے کی اس جنگ سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے ابوالحسن پر حملہ کر دیا۔ ایک شدید جنگ کے بعد ابوالحسن اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اب عیسائیوں کے سامنے صرف ابو عبداللہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ عیسائی حکمران فرڈی نینڈ نے غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ سات سال تک جاری رہا اور پھر جیسے کہ جواد نے آپ کو پڑھ کر سنایا کہ اس محاصرے سے تنگ آ کر ابو عبداللہ نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔"

"لیکن سر! جواد کی ڈائری میں اس بات کا بھی ذکر تھا کہ مسلمانوں کے کمانڈر موسیٰ نے ابو عبداللہ کے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا تو پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"موسیٰ کے انکار پر کسی نے دھیان نہ دیا تو وہ مایوس ہو کر شہر کے دروازے سے باہر عیسائی فوج سے لڑنے کی نیت سے نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس کا دس عیسائی زرہ بند سپاہیوں سے مقابلہ ہوا۔ اس اکیلے مجاہد نے دس میں سے تین کو ہلاک کر دیا لیکن پھر جب وہ خود بھی زخمی ہو گیا تو اس نے دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے لڑتے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ دریا عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس طرح اس نے دشمن کے آگے ہتھیار تو نہ ڈالے لیکن شہادت قبول کر لی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ غرناطہ کو خود مسلمان حکمران ابو عبداللہ نے عیسائیوں کے سپرد کیا تھا۔ پھر اس معاہدے کا کیا ہوا جو اس کے اور عیسائیوں کے درمیان ہوا تھا" زاہد نے سوال کیا۔

"جس معاہدے پر دونوں فریقوں نے دستخط کیے تھے اس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ مسلمانوں کے مذہب، زبان، کلچر اور عبادت گاہوں کی حفاظت کریں گے۔ لیکن انہوں نے جس طرح اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اس کا حال تو میں آپ کو پہلے بتا ہی چکا ہوں۔"

کلاس میں لمبے وقفے تک خاموشی چھائی رہی۔ آخر صدیقی صاحب بولے:

"عزیز طلبا! سقوط غرناطہ کا سبق ہم بار بار بھول جاتے ہیں۔ 1492ء میں جن وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو شکست ہوئی، انہی وجوہات کی بنا پر ہم نے سقوط ڈھاکہ کا غم کھایا اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے ہندو لوگ سپین کی تاریخ کو دہرانا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کو ختم کر کے پورے برصغیر سے مسلمانوں کے خاتمے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں سقوط غرناطہ کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ پنجابی، بلوچی، سندھی اور پٹھان ہونے کے بجائے صرف پاکستانی مسلمان ہونے پر فخر کرنا چاہیے...... صرف آپس کا اتحاد ہی برصغیر کو سپین بننے سے روک سکتا ہے اور اگر آپ نے اس سبق کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا تو سمجھیے آپ نے مستقبل کی تاریخ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔"

عائشہ رحمان

پیارے بچو! آپ نے سبزی تو ضرور کھائی ہو گی بلکہ روز ہی کھاتے ہیں۔ ہم جب سکول جاتے ہیں تو یہ امیاں پیچھے سے کدو، ٹینڈے، بینگن، شلجم، کریلے اور بھنڈیاں پکا لیتی ہیں۔ جب ہم لوگ سکول سے واپس آتے ہیں تو بھوک سے پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہم سکول سے آتے ہی باورچی خانے کا رخ کرتے ہیں لیکن جب ہنڈیا کا ڈھکن اٹھاتے ہیں تو سب کے منہ بسورے جاتے ہیں۔ کیوں کہ اکثر کھانے ان کی پسند کے مطابق نہیں پکے ہوئے ہوتے۔ اکثر بچے امی سے شکایت کرتے ہیں کہ یہ کیوں نہیں پکا یا وہ کیوں نہیں پکایا لیکن بات نہیں بنتی۔

تو بھائی آج ہم آپ کو اپنی ایک دکھ بھری داستان سناتے ہیں ایک دن ہم حسب معمول تھکے ماندے سکول سے گھر آئے۔ ہمارا خیال تھا کہ آج بہت ہی مزیدار چیز پکی ہوئی ہو گی کیونکہ ہم صبح سکول جانے سے پہلے اصرار کر کے گئے تھے۔ آج ہم خوش بھی نظر آ رہے تھے لیکن اللہ کو ہماری یہ خوشی پسند نہ آئی۔ خیر ہم نے بڑے شوق سے باورچی خانے میں قدم رکھا اور ٹہلتے ہوئے چولہے کی طرف بڑھے جونہی ہم نے ہنڈیا کا ڈھکن اٹھایا۔ تو ٹینڈے صاحبان ہمارا منہ چڑا رہے تھے۔ ہم بیہوش ہوتے ہوتے بچے خیر ہم خون کے گھونٹ پیتے ہوئے فرج کی طرف بڑھے اور دل تھام کر اسے کھولا تاکہ دودھ لے کر کسٹرڈ ہی بنا لیا جائے۔ سو ہم نے فرج میں سے دودھ نکالا اور پھر اسٹور کی طرف دوڑ لگائی۔ کمبخت پودا جو ہماری ممی نے برآمدے میں رکھا ہوا تھا شاید ہمارے انتظار میں تھا ایک دم ہم سے ٹکرایا اور ہم دودھ سمیت نیچے گر گئے۔ سارا دودھ فرش پر بہہ گیا۔ اس سے پہلے کہ ممی آ جاتیں ہم نے جلدی سے دودھ پر کپڑا پھیر دیا اور کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہاں جا کر ہم نے روٹی لی اور پلیٹ میں ٹینڈے ڈال کر ایک لقمہ ٹینڈوں کا منہ میں ڈالا اور اوپر سے پانی کا گھونٹ پی کر جلدی سے اسے نگل لیا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ امی حضور نازل ہوئیں اور حکم صادر کیا کہ چھوٹی بہن کے لیے دودھ گرم کر کے فیڈر (بوتل) میں ڈال دو۔ وہ تو یہ کہہ کر چلی گئیں۔ مگر ہماری آنکھوں میں دن میں بھی تارے ناچنے لگے جب کافی دیر تک ہماری چھوٹی بہن یسریٰ کو دودھ نہ ملا تو ممی اس کی انگلی پکڑے ہمارے کمرے میں آئیں اور کہا میں نے تم کو دودھ لانے کو کہا تھا اور تم یہاں بیٹھی رسالہ پڑھ رہی ہو۔ خیر وہ خود ہی فیڈر میں دودھ ڈالنے چلی گئیں۔ جب انہوں نے دودھ نکالنے کے لیے فرج کھولا تو دودھ کو غائب پا کر پھر ہمارے کمرے میں آئیں اور دودھ کے بارے میں پوچھا اب ہمارا یہ حال تھا کہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ممی نے بھی معاملہ سمجھنے میں دیر نہ لگائی پھر ہماری جو درگت بنی اس کا پوچھ کر شرمندہ نہ کریں۔

پیارے ابو یہ بتائیں!

ذاکرہ خفی صاحبہ کی یہ نظم ان کی بیٹی اور ممتاز ادیبہ اور ڈرامہ نگار محترمہ بانو قدسیہ نے بطور خاص عنایت کی ہے۔

پیارے ابو یہ بتائیں
اتنی بات مجھے سمجھائیں
رات کو چور کیوں آتے ہیں
منے رات کو یوں آتے ہیں
کہ دن میں کچھ اور بھی سو لیں
ابو مجھ کو بھی تو دکھائیں
کیسے ہوتے ہیں یہ چور
منے بس کچھ یوں ہی سمجھو
جیسے جنگل میں ہوں مور
نہ جنگل میں مور ہے دیکھا
نہ میں نے چور ہے دیکھا
سکول میں لڑکے کہتے تھے
ماسٹر کے گھر چور تھا آیا
ابو بولے منے سن لو
ماسٹر کے گھر چور کا آنا
فیل کیا کوئی لڑکا ہو گا
کھا کر ماسٹر جی کے ڈنڈے
ان کو ڈرانے آیا ہو گا!

مختصر، مگر مؤثر

کاش!

زبیر احمد صدیقی

ایک دفعہ کسی غریب آدمی کے مکان کی چھت ٹوٹ گئی تھی اور وہ اس پر گھاس پھونس بچھا رہا تھا کہ اتفاق سے ایک سخی امیر بھی ادھر آنکلا اور کہا "بھلے آدمی اس گھاس پھونس سے بارش کیا رکے گی پکی چھت بنوالو تو پھر بارش کے دنوں میں پانی ٹپکنے کا اندیشہ جاتا رہے گا۔"

غریب آدمی نے جواب دیا "جناب! آپ کا فرمانا تو بے شک بجا ہے اور میں بھی جانتا ہوں مگر حضور میرے پاس پکی چھت بنوانے کے لئے روپے نہیں ہیں"۔

امیر آدمی نے پوچھا "پکی چھت پر کتنی لاگت آئے گی؟"۔ غریب آدمی نے جواب دیا "جناب ڈیڑھ سو روپے تو لگ ہی جائیں گے"۔

یہ سن کر امیر آدمی نے جیب میں سے ڈیڑھ سو روپے نکال کر اس کو دیئے کہ مکان کی چھت پکی کروالے۔ امیر آدمی چلا گیا تو وہ بہت پچھتایا اور سوچنے لگا کہ یہ آدمی تو بڑا خدا ترس ہے اگر میں چار سو روپے کہہ دیتا تو وہ چار سو بھی دے دیتا۔ مگر میں نے غلطی سے کم روپے بتا دیئے۔

یہ سوچ کر وہ اس کے گھر پہنچا اور کہنے لگا "جناب میں نے غلطی سے ڈیڑھ سو روپے کہہ دیئے تھے چھت پر کل ملا کر چار سو روپے کی لاگت آئے گی"۔

امیر آدمی بولا "لاؤ وہ ڈیڑھ سو روپے کہاں ہیں"۔

اس نے وہ روپے اس کے حوالے کر دیئے امیر آدمی نے ڈیڑھ سو روپے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا "میرے پاس چار سو روپے نہیں ہیں جاؤ کسی اور سخی سے لے لینا"۔

لالچی آدمی بہت گھبرایا مگر امیر آدمی نے اس کی ایک نہ سنی۔

آخر کار وہ اپنے آپ کو کوستا اور یہ سوچتا اپنے گھر کی طرف چل پڑا کہ کاش میں نے لالچ نہ کیا ہوتا..........

غلطی

محمد ایوب منظر

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ کلاس میں مطلوبہ مضمون کے ٹیچر نہ ہوتے اور ان کی عدم موجودگی اور غیر حاضری میں پوری کلاس شور سے آسمان سر پر اٹھالیتی تو ہمیں بہت ناگوار گزرتا۔

ہم نے ایک نسخہ اپنے ذہن کے خانوں میں فٹ کر رکھا تھا جس پر گاہے بگاہے عمل در آمد کرتے رہتے تھے۔ وہ یہ کہ جب کلاس پر مذکورہ کیفیت طاری ہوتی تو ہم بدحواسی میں بھاگتے ہوئے اداکاری اور ایکٹنگ کے ساتھ زور سے دروازہ کھولتے اور مطلوبہ و مذکورہ مضمون کے ٹیچر کا نام لیتے ہوئے ان کی آمد کا اعلان اونچی آواز سے کر دیتے اور کلاس پر سکوت طاری ہو جاتا سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کی مثال صادق آجاتی اور ایسا بہت کم ہوتا کہ غیر حاضر ٹیچر تشریف لاتے کیونکہ وہ چھٹی پر ہوتے یا ضروری کام کی غرض سے کہیں گئے ہوتے۔ بہر حال ہوا یوں کہ ایک دن ماسٹر صاحب کی غیر حاضری میں پوری کلاس نے اودھم مچار کھا تھا اور ہم غصے سے پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ آناً فاناً ہمارے دماغ کے کمپیوٹر میں مذکورہ آزمودہ نسخہ آزمانے کا خیال عود کر آیا۔ اور ہم نے ہنگامی حالت میں اس پر عمل در آمد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم نے بھاگتے ہوئے زور سے دروازہ کھولا بدحواسی اور تیز کرخت آواز میں ماسٹر صاحب کی آمد کا اعلان کر دیا لیکن غلطی سے ہم اپنی کلاس نہم "ب" کی بجائے "الف" کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے وہاں ایک سخت گیر اور غصیلے ماسٹر صاحب اپنی کلاس کو لیکچر دے رہے تھے اور پوری کلاس خاموشی اور سکون سے ہمہ تن گوش تھی ہمارا دماغ تو چکرا کر رہ گیا اور ہماری حالت یہ کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں پوری کلاس کو ہم ہونقوں کی طرح دیکھ رہے تھے اور ماسٹر صاحب حیرت و استعجاب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ ہماری ازلی حریف اور پڑوسی کلاس کے طالبعلم ہماری حرکات و سکنات سے محظوظ ہو کر اپنے ابلتے ہوئے قہقہوں کو روکتے ہوئے خوشی اور مسرت چہرے پر سجائے ہمیں دیکھ رہے تھے کہ جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں یا میں دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوں۔

شریف صاحب نے کتاب کو کرسی پر رکھا اور ہمیں کان سے پکڑ کر دریافت کیا کہ سکوت بھری کلاس میں لیکچر دیتے ہوئے دخل اندازی کے مرتکب کیوں ہوئے ہو۔ ہم نے اپنی صفائی بیان کی کہ ہمارا مطلق ارادہ آپکے ہاں دخل اندازی نہیں تھا اپنی کلاس کو ماسٹر صاحب کی آمد سے آگاہ کرنے آئے تھے کہ آپ کے ہاں داخل ہو گئے ماسٹر صاحب نے بس جلی کٹی سنانے پر ہی اکتفاء کیا۔ وہ تو خیریت گزری کہ انہوں نے مولا بخش کا بے دریغ استعمال نہ کیا ورنہ جو شریکوں کے سامنے ہماری درگت بنتی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اب جب بھی مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو لبوں پر مسکراہٹ تیرنے لگتی ہے۔

مختصر مگر مؤثر

کھانے کے آداب

کرم الٰہی انصاری (کوٹ ادو)

پیارے بچو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ایک مسلمان ملک میں رہتے ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ضروری ہے کہ ہمارا ہر کام مثلاً کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' دوستوں والدین اور اساتذہ سے تعلقات سب اسلام کے تابع ہوں۔ آیئے ہم دیکھیں کہ کھانے پینے کے بارے میں اسلام 'ہمیں کیا حکم دیتا ہے۔ ذیل میں کھانے کے آداب بتائے گئے ہیں۔ یہ آداب ہمیں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملتے ہیں۔

1۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔
2۔ کھانا بیٹھ کر کھانا چاہئے' چلتے پھرتے یا بازار میں کھڑے ہو کر کھانا نہیں کھانا چاہئے۔
3۔ کوشش کی جائے کہ کھانا دسترخوان پر کھایا جائے۔ یہ افضل طریقہ ہے۔
4۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے۔ اور یہ اونچا پڑھیں تو بہتر ہے۔ تاکہ دوسرے ساتھی بھی سن لیں۔ اور وہ بھی پڑھ لیں۔ اگر بسم اللہ پڑھنی بھول جائے تو جب بھی کھانے کے دوران یاد آئے تو بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھ لے حدیث مبارک ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے شیطان اس کھانے میں شامل ہو جاتا ہے۔
5۔ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے۔
6۔ اگر کھانا ایک ہی قسم کا ہو مثلاً چاول یا دال تو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے اگر مختلف قسم کا ہو مثلاً کچی پکی کھجوریں تو بے شک چن چن کر جہاں سے جی چاہے کھائیں۔
7۔ کھانا زیادہ گرم نہیں کھانا چاہئے۔
8۔ کھانا جلدی جلدی نہیں بلکہ آہستہ آہستہ آرام سے کھانا چاہئے۔
9۔ کھانا بھوک رکھ کر کھانا چاہئے۔
10۔ کھانا تکیہ لگا کر نہیں کھانا چاہئے۔ بلکہ سیدھا بیٹھ کر ادب سے کھانا چاہئے۔
11۔ کھانا اگر پسند نہ ہو تو اسے ایسے ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ کھانے کو برا نہیں کہنا چاہئے۔
12۔ کھانا اکٹھے ہو کر ایک ہی دسترخوان پر کھانا چاہئے۔ اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔
13۔ کھانے کے وقت اگر کوئی چیز مثلاً کھانے کا برتن' پانی کا برتن آگے چلانا ہو تو دائیں طرف سے چلانا چاہئے۔ یعنی دائیں طرف والوں کو پہلے دینا چاہئے۔
14۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو لینے چاہئیں اور کلی کرنی چاہئے۔
15 کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اگر ہو سکے تو یہ دعا پڑھنی اور یاد کرنی چاہئے۔

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

ترجمہ!۔ 'سب شکر اللہ کے لئے ہے' جس نے ہم کو کھلایا' پلایا اور مسلمان بنایا۔

قربانی

آسمان پر بادل تیر رہے تھے۔ بارش کے امکان نمایاں تھے اور پہلے سے زیادہ سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اسی دن عرفان کا انٹرویو تھا۔ خیر انٹرویو تو پہلے بھی اس نے دیئے تھے۔ مگر آج وہ بہت پر امید تھا کہ انٹرویو میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

عرفان دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔ دو سال پہلے گریجویشن اچھے نمبروں سے پاس کر لیا تھا لیکن نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

آج وہ ناشتہ کرنے کے بعد تیار ہو کر انٹرویو کیلئے گھر سے نکل آیا ابھی سڑک پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ بارش شروع ہو گئی سب لوگ محفوظ مقامات پر پہنچنے کیلئے تگ و دو کر رہے تھے۔ وہ بھی کسی مقام کی طرف نظریں دوڑانے لگا۔ اسے انٹرویو کیلئے بھی دیر ہو رہی تھی پر کیا کرتا۔ ایک دکان پر کھڑا ہو کر بارش رکنے کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی ایک دکان پر کھڑا ہو کر بارش رکنے کا انتظار کرنے لگا اچانک ایک تیز رفتار گاڑی ایک بچے کو ٹکر مارتی ہوئی گزر گئی جو سکول جانے کیلئے سڑک پار کر رہا تھا۔ بچہ گاڑی کی ٹکر لگنے سے دور جا گرا کوئی بھی آدمی بچے کو اٹھانے کیلئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اسی لمحے عرفان دوسروں کا انتظار کئے بغیر دوڑ کر بچے کے پاس پہنچا۔ بچہ بیہوش ہو چکا تھا۔ یہ ایک دس سالہ خوبصورت بچہ تھا۔ اس کے بازوؤں پر چوٹیں آئی تھیں اور سر سے بھی خون بہہ رہا تھا عرفان نے اسے اٹھا کر ایک ٹیکسی میں ڈالا اور نزدیکی پرائیویٹ کلینک میں لے گیا۔ ڈاکٹر اسے معائنے کیلئے علیحدہ کمرے میں لے گیا۔ اور عرفان باہر بیٹھ کر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ایک نرس نے آکر عرفان کو اس بچے کے ہوش میں آنے کا بتایا یہ سن کر وہ اندر کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر نے اس کی چوٹوں پر پٹیاں کر دی تھیں۔ عرفان نے اپنی قیمتی گھڑی بیچ کر اس ڈاکٹر کی فیس ادا کی۔ اور پھر اسے وہ اپنے گھر لے گیا۔ اسے سردی سے بچانے کیلئے اس کے گرد کمبل لپیٹ دیا۔ اس کیلئے ایک چائے کا کپ اور ایک انڈہ ابال لایا۔ بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

صرف اس بچے کی خاطر عرفان نے اپنا انٹرویو ضائع کر دیا تھا بچے کا نام ببلو تھا۔ بچے نے عرفان کو اپنا پتہ بتایا تو وہ بچے کو لے کر ان کے گھر چھوڑنے چلا گیا۔ اس کی ممی ببلو کی حالت دیکھ کر رونے لگیں عرفان نے انہیں تسلی دی اور بڑی مشکل سے چپ کرایا۔ وہ عرفان کو ببلو کے ڈیڈی کے آنے تک ادھر ہی روکنا چاہتی تھیں۔ اور عرفان کو ان کے اصرار پر رکنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ببلو کے ڈیڈی آ گئے۔ ببلو کی ممی نے عرفان کا ان سے تعارف کروایا۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اس (عرفان) نے ببلو کی خاطر اپنا انٹرویو ضائع کر دیا ہے وہ عرفان کے عمل سے بہت متاثر ہوئے۔

ببلو کے ڈیڈی ایک فرم کے مالک تھے۔ انہوں نے عرفان کو اپنا اسسٹنٹ بنا لیا۔ یہ عہدہ صرف فرم تک ہی محدود تھا۔ فرم کے باہر وہ اس کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں اس کو علیحدہ کمرہ دیدیا۔ اور پھر عرفان وہیں رہنے لگا۔ اب بھی وہیں رہتا ہے ببلو کے ممی ڈیڈی اسے بہت چاہتے ہیں۔ ببلو اس سے اتنا مانوس ہو چکا ہے کہ وہ اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا ہے۔ اور اسے اس کا پیار پا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ جیسے اس نے انٹرویو ضائع کر دینے سے دنیا جہاں کی دولت پالی ہو۔ (فرحان انجم اقبال شامی)

دل کا مریض

ایک دل کے مریض کا پانچ لاکھ روپے کا انعامی بانڈ نکلا ان کے لڑکے نے سوچا اگر والد صاحب کو اچانک بتا دیا گیا تو شاید شادی مرگ نہ ہو جائے۔ اس نے ملک کے سب سے بڑے ڈاکٹر سے مشورہ کیا کہ میرے والد صاحب کو دل کی تکلیف ہے اور ان کا پانچ لاکھ روپے کا بانڈ نکلا ہے۔ ہم ان کو اچانک نہیں بتانا چاہتے آپ ہمیں کوئی ترکیب بتائیں۔

ڈاکٹر مریض کے گھر گیا اور کہا کہ صاحب اگر آپ کا ایک لاکھ روپے کا بانڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں گے؟! مریض نے جواب دیا میں اپنی بڑی لڑکی کی شادی کروں گا اور پھر ڈاکٹر نے کہا اگر آپ کا دو لاکھ روپے کا بانڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں گے؟ مریض نے خوش ہوتے ہوئے کہا کوئی اچھا بزنس کروں گا۔ ڈاکٹر نے پھر کہا اور اگر پانچ لاکھ روپے کا نکل آئے تو...... مریض نے کہا کہ اس میں سے آدھا تم کو دے دوں گا اور آدھا خود رکھ لوں گا۔ اتنا سننا تھا کہ ڈاکٹر کا ہارٹ فیل ہو گیا......!

(فضل احمد فانی۔ ربوہ)

حمد

افضل و اعلیٰ ہے اللہ
برتر و بالا ہے اللہ
سب کا ہے وہ پالنے والا
لا الہ الا اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ
بندوں کا غم خوار وہی ہے
ستار و غفار وہی ہے
رحمت کا دربار وہی ہے
وہ ہر غم کو ٹالنے والا
لا الہ الا اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ
ٹوٹی آس بندھا دیتا ہے
بگڑے کام بنا دیتا ہے
اچھا کام کرے جو کوئی
اس کا اجر خدا دیتا ہے
سب کا والی سب کا مولا
لا الہ الا اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ
اللہ اللہ سبحان اللہ

ریاض الرحمان ساغر

ہم پاک نبیؐ کی امت ہیں

ہیں پاک نبیؐ کی امت ہم
وہ الفت کرنے والے ہیں
ہم ننھی منی جانوں پر
وہ شفقت کرنے والے ہیں
ہم سادہ فطرت والوں پر
وہ رحمت کرنے والے ہیں
وہ سیدھی راہ دکھاتے ہیں
ہر پیاری بات سکھاتے ہیں
ہم ان سے محبت کرتے ہیں
ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں
ہم پر وہ خدا کی رحمت ہیں
ہے شکر، ہم ان کی امت ہیں
ہم کتنے ہی خوش قسمت ہیں
ہم اک پاکیزہ ملت ہیں
ہم پاک نبیؐ کی امت ہیں
ہم سب سے اچھی امت ہیں!

حفیظ الرحمٰن حسن

منوں کی کٹی پتنگ

اچھے ساتھیو! منوں میاں کی کٹی پتنگ کو تقریباً سبھی نے بڑی ذہانت سے بوجھ لیا۔ 12 دسمبر 90 تک ہمیں درست حل والے مندرجہ ذیل ساتھیوں کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔

عائشہ فصیح الدین لاہور' حماد الرحمان بہاولنگر محلہ نگر سلطانی کچہری روڈ ملتان۔ ناصر خالد 'لاہور۔ رضوان قیصر دانش' جلالپور بھٹیاں۔ عابد بن عبداللہ فقیر والی۔ ثمینہ اطہر فیصل آباد۔ عثمان محمد لاہور۔ زیب النساء سیالکوٹ۔ کاشف رضا لاہور۔ کامران یونس لاہور۔ فرخ شہزاد لاہور۔ عبدالباسط سیالکوٹ۔ فاروق احمد پیرزادہ پاکپتن۔ حلیمہ سعدیہ جہلم۔ رضیہ اعجاز 'فیصل آباد۔ محمد شفیق بھمبر۔ عظمت اللہ بٹ جڑانوالہ۔ عامر اقبال فیصل آباد۔ کشور ناہید ملتان۔ عبدالروف عاصم والٹرنج۔ نوشین اختر لاہور۔ محمد شعیب خان فیصل آباد۔ ناصر خالد لاہور۔ عرفات احمد دھریالہ۔ عائشہ محمود لاہور۔ ندرت رومی۔ لاہور۔ عماد یوسف لاہور۔ مسعود احمد راوی لاہور۔ تیمور آفاق لاہور۔ سحرش جاوید سیالکوٹ۔ شفیق الرحمان ملتان۔ عابدہ کوثر شاہدرہ۔ محمد ناصر یونس بندھانی حیدر آباد۔ محمد آصف چشتیاں۔ محمد طارق راولپنڈی۔ رمضان فیصل آباد۔ سعدیہ اسلم پشاور۔ رضوانہ انور۔ سیالکوٹ۔ نورین بشارت لاہور۔ میاں محمد عامر گجرات۔ ذیشان زاہد۔ ارسلان ناصر 'عدنان زاہد 'راولپنڈی۔ کاظم حسین شمس۔ چنیوٹ۔ ولید یعقوب لاہور۔ محمد فاروق علی 'لاہور۔ قیصر احمد شرقپور۔ فرید احمد فیصل آباد۔ محمد شاہد انجم وہاڑی۔ عبداللہ فضل الحق ملتان۔ زاہد کشوری خانیوال' جان محمد لاشاری بیرپور ریروڈو 'ظفر اقبال شاہد 'اوکاڑہ۔ یاسر عرفان شیخوپورہ۔ چودھری افتخار احمد خضر جھنگ۔ اشفاق محمود ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد اطہر شاہ ملتان۔ محمد طارق ڈیرہ غازی خان۔ فرخندہ جبیں۔ وہاڑی۔ ارم سمیع اللہ لیہ۔ ایم قمر الزمان قیصرانی لیہ۔ اسد محمود سیالکوٹ۔ محمد بشیر زاہد بورے والہ۔ عبداللہ پرویز فیصل آباد۔ عمر فاروق راولپنڈی۔ عامر تنویر ادھروال۔ فریحہ بانو گوجرانوالہ۔ عمران ملک والی۔ سارہ سعید لاہور۔ شیخ زاہد ملتان۔ خالد رحمان قریشی۔

شیخ حامد ستار ملتان۔ سعید احمد گوجرانوالہ۔ محمد خالد حافظ آباد نادیہ انوار ملتان۔ قیصر محمود مانسہرہ۔ شیخ خرم شہزاد کبیر والا۔ دانش احمد فریدی۔ ڈی جی خان۔ شبیر احمد عاصف فتح شاہ۔ ملک روف چنیوٹ۔ ممتاز انجم قصور۔ سید محمد عباس شیرازی بہاولپور۔ نازیہ صدیق لاہور۔ شہباز حسین بھائی پھیرو۔ محمد الیاس چوکی۔ شیخ اختر شیراز قصور۔ شیخ ماجد ستار ملتان۔ عبدالحفیظ شاہد خانیوال۔ افتخار احمد کھوئی رٹہ۔ شمسہ خالد سدھارہ۔ ناصر لطیف شیخوپورہ۔ محمد ساجد بٹ فیصل آباد۔ مدثر زمان شیخوپورہ۔ رانا ارشد اقبال وزیر آباد۔ زاہدہ شفیق اوکاڑہ۔ عرفان محمود سہیل کاموکی۔ فرزانہ کوثر چوکی۔ رانا نسیم اختر جن پور۔ رفیق سجاد ملتان۔ چودھری گلزار احمد خضر۔ میاں بچی والا۔ محمد طارق تونسہ شریف۔ محمد طارق خانیوال آصف محمد ڈونگا بونگا۔ علیم ارشد ڈونگا بونگا۔ سید محمد اشعر سرگودھا۔ فرخ وسیم سیالکوٹ۔ نعیم احمد دیپالپور۔ اختر ندیم بہاولپور۔ شائستہ نذیر اشفاق احمد مسرت نذیر قلیل پور۔ محمد محسن رضا گوندل سرگودھا۔ تصور قیوم لاہور۔ رضوان فاروقی چوکی۔ امتیاز احمد سیالکوٹ۔ عاصم شہزاد خان لاہور۔ حافظ محمد زاہد منیر سکھیکی۔ ناصر بیگ لاہور۔ بشریٰ احسان سرگودھا۔ سلیمان پرویز سیالکوٹ۔ نعمان اقبال سیالکوٹ۔ محمد ذیشان فیصل آباد۔ سید ظفر عباس ملتان۔ اطہر فاروق گجرات۔ محمد اکرم اشرف لاہور۔ محمد حسین گجرات سہیل خلیل گوجرانوالہ عدیلہ جبیں ملتان۔ محمد زاہد یونس کاموکی۔ محمد صابر شہزاد فیصل آباد۔ شازیہ اشرف شیخوپورہ۔ عثمان عبداللہ کھڈیاں۔ مدثر شکور فیصل آباد۔ شبانہ یاسمین مظفر گڑھ۔ محمد منشا ساجد اوکاڑا۔ نوید قادر قلیل آباد۔ سید شہزاد شاہ کھڈیاں۔ محمد اسد گل فیصل آباد۔ رائے عبدالوحید بھٹی میاں چنوں۔ ساجد حسن ساجد وہاڑی۔ غلام قادر ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد عمران قادر توصیف رؤف بیر والا۔ کاشف شہزاد لاہور۔ محمد اللہ دتہ گوجرہ۔ عینیہ بٹ لاہور۔ تنویر احمد لاہور۔ فرزانہ جمیل شرقپور۔ ابوذر اعوان قلعہ دیدار سنگھ۔ محمد مبشر قریشی الہ آباد عاطف ریحان احمد نگر۔ حفیظ اللہ غزلانی بلوچ کراچی۔ عطاء الرحمان عبدالعزیز حیدر آباد۔ امتیاز احمد زیدی فیصل آباد۔ عبدالغفار وہاڑی۔ فرہاد حسین میرپور۔ ثناء صادق لاہور۔ شیخ محمد عاصم شہزاد وہاڑی۔ کرن مختار لاہور۔ شاہد ندیم ہری پور ہزارہ۔ عثمان احمد لاہور۔ زاہدہ الٰہی حویلیاں کینٹ۔ زاہد نسیم خان بنوں۔ سائرہ ایوب فیصل آباد۔ رشید احمد عارف والہ۔ شملا فروز چیچہ وطنی۔ رابعہ فہیم لاہور۔ بیٹش عارف جیل روڈ لاہور۔ انوار احمد بھٹی دیپالپور۔ فرحت ناز سیالکوٹ۔ طارق سلیم غلام محی الدین ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ بانک رام ماچھکہ بلال رحمان گوجرانوالہ۔ رحمت علی دکی چک چھپر۔ شاہد ہاشم علی بورے والا۔ راشد محمود لودھراں۔ خادم حسین سرگودھا۔ ندیم احمد کلاں سیاں۔ عاطف الطاف ملتان۔ محمد سلیم ملتان۔ نوید حسن جھنگ۔ شہزاد واجد علی قصور۔ ظفر اقبال سیالکوٹ۔ ارم خان فیصل آباد۔ محمد عرفان مغل سیالکوٹ۔ عمران پشاور۔ سرفراز احمد سیالکوٹ۔ سلمہ عروج کوٹلی عمران طارق اٹک۔ میمونہ اشرف شیخوپورہ۔ ضیاء الحق بھٹی تلہ بر۔ ظفر اقبال گوندل گجرات۔ ثوبان مرشد لاہور۔ قاضی فیصل ضیا پشاور۔ مقبول احمد اختر میانوالی۔ خواجہ نوید اقبال پنڈ دادنخان۔ قاسم ضیاء لاہور۔ سحر اقبال بٹ لاہور۔ سید علی عباس شمس جھنگ۔ شکیل احمد صدیقی آزاد کشمیر۔ آصف اقبال چوکی۔ جواد افضل فیصل آباد۔ رشیدہ قمر قبولہ شریف۔ نورین ناز سکھر۔ احمد علی ملک کراچی۔ ملک محمد نعیم مخدوم پورہ۔ لیاقت علی خان لاوہ۔ محمود احمد نتھا۔ ڈگری۔ عبیداللہ شیخ خیرپور۔ توفیق سجاول اسلام آباد۔ محمد اکبر رشید کہروڑپکا۔ شبنم شریف چوکی۔ نعیم طاہر فیصل آباد۔ عرفان امیر لاہور اسلم گوجرانوالہ۔ کاشف سعید ملتان۔ کملیش کمار نواب شاہ۔ محمد اسلم رضا لاہور۔ زرین بشارت لاہور۔ طیب لطیف حسین راولپنڈی غلام نبی شیخوپورہ۔ صفدر علی صفدر جڑانوالہ۔ عاطف الطاف ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ جویریہ ناز ملتان۔ مریم حنیف لاہور۔ نعمان مسعود جوہر ٹاؤن۔ شیخ سجاد بستی شیخ اسماعیل۔ سلمان قریشی ملتان۔ محمد خالد شریف جڑانوالہ۔ حافظ محمد عظیم ریاض لاہور۔ مجتبیٰ جاشر ملتان۔ عبید ظفر اوکاڑہ۔ ندیم حسین ملتان۔ اعجاز احمد گوجرانوالہ۔ محمد ہارون ساہیوال۔ شوکت محمود آزاد کشمیر پلندری۔ صدف چغتائی لاہور۔ شیراز ریاض سیالکوٹ۔ ایاز حسین ریاض راولپنڈی۔ محمد عارف خانیوال سرفراز احمد خان پور۔ ایم شفیق الرحمان یاس راجن پور۔ ظہیر الدین بابر حویلی لکھا۔ احسن علی زیدی لاہور۔ محمد قاسم لاہور۔

آمنہ بتول عثمان لاہور۔ شہریار ایمن حسین۔ ایبٹ آباد محمد خالد محمود شیخوپورہ۔ محمد ارشد حیدر آباد۔ بابو غلام سجاول۔ کامران رشید یاسر 'افشاں شہباز عائشہ رشید راولپنڈی۔ علی مرتضیٰ راٹھور سیالکوٹ۔ طاہر رشید چک نمبر ڈبلیو بی/65۔ محمد زاہد عباس سرگودھا۔ تنویر گل ضلع ہزارہ۔ غلام یسین علی گوہر چوہان کہروڑپکا خدیجہ بھٹی راولپنڈی۔ محمد شہباز مخدوم رشید عدنان طفیل سیالکوٹ۔ عظمت جبیں کماڑی کراچی۔ راشد ریاض نوشہرہ۔ افتخار الحق حقانی منگورہ سوات۔ محمد شہزاد ملتان۔ انجم تمکین لاہور۔ علی ہاشمی لوئر چھتر آزاد کشمیر۔ حامد ضیا لاہور۔ وسیم مظفر مخدوم پور پہوڑاں ایم عباس جہانیاں منڈی۔ فیصل محمود کراچی۔ راشد محمود ملتان۔ سراج احمد منیر کراچی۔ حافظ مسعود خانیوال۔ رانا اختر سعید گوجرانوالہ۔ سیف اللہ بہاولپور۔ قاضی طاہر ظہور۔ بھیڑی خورد۔ عنایت حسین ساگر۔ رحیم یار خان۔ محمد مختار احمد ارائیں چک نمبر ای بی/261/15 سعیدہ اسحاق لاہور۔ عظمیٰ بشیر ٹاؤن شپ لاہور۔ ثمرہ منیر چنیوٹ۔ محمد اسلم غزل ماموں کانجن۔ محمد حنیف نواب شاہ۔ کرن اقبال وہاڑی عنبرین لطیف لاہور۔ سعید الطاف فیصل آباد۔ اقبال حیدر فرخ ناز لاہور۔ مبشر حسین گلگت۔ رابعہ علی ملتان۔ احسن وسیم ورک بھکر۔ محمد شاہد فاروق گوجرانوالہ۔ احمد مختار مجسم۔ ڈیرہ غازی خان۔ صابر حمید ملتان۔ سجاد احمد کوثر۔ ریناڑہ۔ شہباز منظور ملتان۔ ارم جاوید وزیر آباد۔ اعجاز احمد فیصل آباد۔ ابو ابدال احمد خان کلورکوٹ۔ غلام مصطفیٰ طاہر لسور۔ السید مصباح العظیم لاہور۔ میر عاصم حسن لاہور۔ ایم طیب فاروق طاہر ظلے عالی اے باسط خوشاب۔ ایم حنیف احمد پور شرقیہ۔ یاسر علی تنویر فیصل ٹاؤن۔ خاور جاوید بھکر۔ وسیم اختر لاہور۔ مبشر احمد ملتان۔ عائشہ فیصل حق میاں چنوں۔ رئیس احمد مغل پشاور۔ محمد علی ٹنڈو والا یار۔ صابر حمید ملتان۔ مسرت شہزادی جھنگ۔ معصومہ عباس رضوی اسلم آباد۔ جاوید بریرہ علی پور۔ شبیر علی چنگیزی لاہور کینٹ۔ عابد محمود حیدر آباد محمد جمیل چونیاں۔ عبدالرزاق شاہد۔ قبولہ۔ تابندہ انجم صالح پیر محل۔ محمد طاہر سعید ملتان۔ فیضان ندیم احمد سندھو گجرات۔ غضنفر علی بہاولپور۔ حمزہ روف تلہ گنگ۔ محمد ذیشان کراچی۔ عمران طفیل سیالکوٹ۔ فوزیہ لطیف لاہور کینٹ۔ فرزانہ ناہید بٹ۔ فوزیہ ناہید بٹ۔ عامر قدیر بٹ۔ لودھراں فرناز جاوید فیصل آباد۔ زیڈ ایم ادریس کنٹھو آزاد کشمیر۔ عائشہ ناصر لاہور۔ سعید ذوالفقار علی کاشف راولپنڈی۔ الطاف حسین تبسم بچیکی۔ عرفان بھٹہ ملتان۔ مستنصر چودھری میکلوڈ گنج۔ طاہر فیاض قلعہ دیدار سنگھ۔ ہارون احمد ٹلے گجرات۔ ولی اللہ قلعہ دیدار سنگھ۔ محمد زاہد ساجد قلعہ دیدار سنگھ۔ عامر غیاث فریدی کراچی۔ روزینہ حنیف سکرنڈ سندھ۔ گل نوخیز اختر ملتان۔ آصف علی ٹنڈو محمد خان۔ عفیفہ طاہر۔ بریرہ طاہر۔ مظفر آباد۔ اورنگ زیب عالمگیر۔ سدھانڈی۔ حمیرا اصلاح الدین لونیاں، عمران فیصل آباد ملتان۔ ثنا امداد حیدر آباد۔ حسیب جاوید اشرف گوجر خان۔ محمد وقاص رفیق پاکپتن۔ سلطان ظہیر الدین حیدر۔ کراچی۔ محمد اسداللہ بیرون کشمیری گیٹ۔ راشد علی عبدالحمید میرپور خاص۔ عمار ملک شیخوپورہ۔ واحد علی کناس۔ نائلہ مختیار کوہاٹ تہمینہ امداد لطیف آباد محمود الحسن اعوان قلعہ دیدار سنگھ اصغر علی بھٹہ سکھیکی۔ کلیم اللہ سجاد احمد ممتاز احمد صادق آباد۔ یاسمین سلیم روکی چوکی۔ ریاست علی کھیرو۔ مقصود انور ملتان۔ محمد اکبر ملتان۔ محمد علی فتح گنج۔ محبوب فرید عرفان اکرم ہاشم امتیاز بٹ فیصل آباد۔ عظمت اللہ بٹ فیصل آباد۔ علی رضا انور فیصل آباد۔ محمد نواز منڈی بہاؤالدین۔ رانا مقبول احمد بوریے اصل۔ محمد ایوب چوک پچلیلی۔ عرفان احمد گلشن راوی لاہور۔ محمد رفیق دانش پچلیلی نوشین شاہ دین من آباد لاہور۔ 'محمد عمران خان سونے خیل 'نور محمد پلندری آزاد کشمیر' حافظ شمس الرحمان پوران شریف محمد وقاص اسلم بٹ اوکاڑہ' خالد حبیب گوجرانوالہ شبیر احمد غوری حاصل پور' ناصر سہیل چغتائی خانیوال' ناہید اشرف ساجد حسین ساجد وہاڑی' امتیاز احمد زیدی فیصل آباد' فریاد حسین صنم سرسایہ آزاد کشمیر' زاہد وسیم خان بنوں سٹی' نوید قادر ملتان' عطاالرحمان سید شہزاد شاہ کھڈیاں' مدثر شکور فیصل آباد' عبدالغفار میلسی' شیخ محمد عالم شہزاد میلسی' ثنا صادق فیروز پور روڈ لاہور' محمد عبدالعزیز حیدر آباد' احمد علی ملک' ملک اطہر علی گرومندر کراچی' ملک محمد نعیم مخدوم پور' عاطف ریحان بٹ گوجرانوالہ' سید علی عباس جھنگ' آمینا تنویر احمد باغبان پورہ لاہور' فرزانہ جمیل شرقپور' نورین ناز سکھر' رشیدہ کنول قبولہ' آصف اقبال چوکی' شکیل احمد صدیقی بھمبر آزاد کشمیر' محمد قاسم ضیا سیالکوٹ' رقیب الدین لاہور' محمد اللہ دتہ منہاس گوجرہ' عنید سلیم بٹ لاہور' محمد عمران قادر محمد کامران قادر شجاع آباد' ابوذر اعوان گوجرانوالہ' توصیف روف خواجہ بیروالہ' کاشف شہزاد لاہور' محمد منشا ساجد ہیرا سنگھ' شبانہ یاسمین روہیلانوالی' مقبول احمد اختر گھنڈوالی'

اتنے سارے درست جوابات میں سے انعام کے لئے دس ساتھیوں کا نام قرعہ اندازی کے ذریعے چنا گیا ان خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں۔ ان ساتھیوں کو تحفہ مبارک ہو۔

1۔ رضیہ اعجاز مکان 320 گلی نمبر 6 محلہ محمد پورہ فیصل آباد
2۔ اختر ندیم مقام بخش خان تحصیل چشتیاں ضلع بہاولنگر
3۔ سعدیہ اسلم مکان نمبر 32/29 سنہری مسجد روڈ پشاور صدر
4۔ عرفان امیر شاہد مکان نمبر 3 گلی نمبر 18 باغبانپورہ لاہور
5۔ ندیم حسین کائیاں پور راناشجاع آباد روڈ ملتان
6۔ فرحت رشید معرفت حکیم رشید احمد دربارہ روڈ حافظ آباد
7۔ شبانہ یاسمین جھنکار میوزک سنٹر آفتاب مارکیٹ روحیلہ والی تحصیل و ضلع مظفر گڑھ
8۔ محمد علی شکیل احمد قادری مکان نمبر 336 اے آس درس پاڑہ نزد روشن حویلی ٹنڈو آدم سندھ۔
9۔ عبیداللہ شیخ کراچی پائپ سٹور اینڈ سینٹری سٹور ایوب بازار خیرپور میرس سندھ
10۔ محمد اللہ دتہ منہاس کلاس ہشتم رول نمبر 47 گورنمنٹ ہائی سکول گوجرہ ضلع گجرات

"آہا! کامران بھیا، آپ یہاں کیسے؟"

کامران نے چونک کر دیکھا تو سامنے راشد کھڑا تھا۔

"وہ.....وہ میں آپ کو....." کامران کچھ کہتے ہوئے رک سا گیا۔

"بھئی کیا بات ہے؟ یہ آپ الجھے ہوئے انداز میں کیا کہہ رہے ہیں" راشد نے حیران ہو کر پوچھا۔ کامران نے اپنے حواس درست کرتے ہوئے اور خیالوں کی دنیا سے واپس آتے ہوئے جواب دیا "دراصل میں آپ کو لینے آیا تھا۔"

"کہاں جانے کے ارادے ہیں؟" راشد نے پوچھا

"آپ کو پتہ ہی ہے کہ کل میری چودھویں سالگرہ ہے۔ اس کے انتظامات کی مجھے ابھی فکر لگی ہوئی ہے۔ آپ کو لینے آیا ہوں، تاکہ ایک دن پہلے ہی سارے انتظامات مکمل کر لئے جائیں"۔ کامران نے جواب دیا۔

"مگر میں تو اس وقت بہت مصروف ہوں، ہمارے ملک کا ایک حصہ زلزلے کی تباہ کاریوں کا شکار ہے، ایسے میں سالگرہ اور خوشی و مسرت کی تقریبات منانا کچھ اچھا نہیں لگتا"۔ راشد نے سنجیدگی سے کہا۔

"امدادی کیمپ میں آ کر احساس تو مجھے بھی ہو رہا ہے، مگر کیا کیا جائے، اب تو سارے ہی دوستوں کو اطلاع دی جا چکی ہے، اور انتظامات بھی مکمل ہونے والے ہیں، ایسے میں سالگرہ کی تقریب ملتوی کی جا سکتی ہے؟" کامران نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔

"ایک تجویز ہے، جس پر عمل کر کے سالگرہ کی تقریب ملتوی کئے بغیر کام چل سکتا ہے" راشد نے کہا۔

"وہ کیا؟" کامران نے بے تابی سے پوچھا۔

راشد نے اس کے کان میں کچھ کہا، اور کامران کا چہرہ کھل اٹھا۔

سالگرہ کی تقریب کا وقت جیسے جیسے قریب آ رہا تھا، مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ تمام مہمان لان میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے تقریب کے انتظار میں خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اچانک کامران کی آواز ایک جانب سے بلند ہوئی۔

"مہمانان گرامی! سالگرہ کی تقریب کا وقت ہو گیا ہے۔ سب لوگ ہال میں تشریف لے چلیں"۔

تمام مہمان تیزی سے ہال کی جانب لپکے۔ مگر یہ کیا؟ سبھی کے چہروں پر سوالیہ نشان تھا۔ ہال کے درمیان رکھی ہوئی بڑی سی میز سالگرہ کے کیک اور مہمانوں کے لائے ہوئے تحفوں کی بجائے بالکل خالی پڑی تھی۔ مہمانوں میں نہ ختم ہونے والی کھسر پھسر اور چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ کامران راشد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسکراتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔

تمام مہمانوں کو پریشانی کے ان لمحات میں کامران کی مسکراہٹ بہت بری لگی۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" طاہر نے اونچی آواز میں کہا۔

"یہ کیا چکر چلایا گیا ہے؟" حامد نے گلا پھاڑ کر کہا۔

"ہمیں سالگرہ کے نام پر بیوقوف بنایا گیا ہے" طارق نے جھنجھلا کر کہا۔

"بھئی! ناراض اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کی ناراضگی ابھی دور کئے دیتا ہوں" کامران نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ کیسے؟" کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

"میرے پیارے دوستو!" کامران نے دھیمے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"آپ کو علم ہے کہ ہمارے پیارے ملک کے ایک حصے میں زلزلے نے تباہی پھیلا دی ہے۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں، سر چھپانے اور کھانے پینے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچا، ایسے میں سالگرہ اور خوشی کی دوسری تقریبات منانا اچھا نہیں لگتا۔ میں نے سوچا تھا کہ سالگرہ کی تقریب ملتوی کر دوں، مگر ایک دن کے مختصر وقت میں ممکن نہیں تھا کہ تمام دوستوں کو اس تقریب کے التواء کی اطلاع کر سکوں۔ اس لئے راشد کے مشورے پر میں نے فیصلہ کیا کہ سالگرہ کے موقع پر تمام دوست جمع تو ضرور ہوں، مگر سالگرہ کے انتظامات پر اٹھنے والے تمام اخراجات کی رقم، اور آپ دوستوں کے لائے ہوئے تحفوں کو متاثرین زلزلہ کے امدادی فنڈ میں جمع کرا دیا جائے"۔

کامران کا یہ اعلان سنتے ہی مضطرب اور بے چین چہرے خوشی سے دمکنے لگے، کامران کا یہ غیر متوقع مگر خوش کن فیصلہ سب کو بیحد پسند آیا۔

فرقان نے سارے دوستوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا "ہم بھی آج سے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لئے امدادی کیمپ میں کام کریں گے"۔

راشد اور کامران اپنے دوستوں کا یہ فیصلہ سن کر دل ہی دل میں مسکرانے لگے۔

جنگل کے چھوٹے بڑے جانور اس ظالم گندے ہاتھی کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے اور کئی دن ایسے بھی آتے جب اس ہاتھی کو ستانے کے لئے کوئی جانور ہاتھ نہ لگتا۔ چونکہ ظلم کرنا اور دوسروں کو ستانا اس کی عادت بن گئی جس دن اسے کوئی جانور نہیں ملتا اس دن اسے بڑی بے چینی محسوس ہوتی وہ گھاس اور درختوں کو توڑ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتا لیکن جو مزہ اسے زندہ جانوروں کو ستانے میں آتا وہ گھاس پھونس کو روندنے میں نہ ملتا۔

ایک ایسے ہی دن جب کوئی جانور اس کے ہاتھ نہ آیا اور وہ بڑا اداس ہو کر جنگل میں پھر رہا تھا اس کی اچانک نظر زمین پر بکھری ہوئی چیونٹیوں پر پڑی۔ اگرچہ اس جنگل کی چیونٹیوں تک بھی اس ظالم اور گندے ہاتھی کی ظلم کی داستانیں پہنچ چکی تھیں لیکن چیونٹیوں کا خیال تھا کہ کہاں پہاڑ برابر اور کہاں روئی برابر چیونٹیاں بھلا ہاتھی اور چیونٹی کا کیا مقابلہ چیونٹی تو اتنی حقیر اور بے مایہ جانور ہے کہ ہاتھی انہیں تنگ کرنے یا مارنے کا سوچے گا بھی نہیں۔ لیکن ان معصوم چیونٹیوں کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ جب کوئی جاندار ظلم کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ چھوٹے بڑے کی تمیز کئے بغیر ظلم کرتا ہے وہ چیونٹیاں ہاتھی کے ظلم سے بے پروا ہو کر اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھیں کہ ظالم ہاتھی ان پر حملہ آور ہو گیا۔ وہ ان کے بل اور گھروندے تباہ کرنے لگا اس نے زور زور سے اپنے بھاری پاؤں زمین پر مارے اور اس طرح ہزاروں چیونٹیوں کے بل تباہ ہو گئے اور سینکڑوں چیونٹیاں اور چیونٹے مر گئے اور ہزاروں چیونٹیاں اس ناگہانی آفت سے بچنے کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔

اب ہاتھی کا معمول بن گیا کہ جب اسے کوئی چھوٹا یا بڑا جانور نہ ملتا تو وہ اپنا غصہ اتارنے کے لئے اس طرف چلا جاتا جہاں چیونٹیوں نے اپنے گھر بنا رکھے تھے۔

اس ظالم ہاتھی نے کئی مرتبہ چیونٹیوں کے گھر تباہ کئے اور ہزاروں چیونٹیوں اور چیونٹوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ایک دن ایک نوجوان چیونٹا غصے سے بھڑک اٹھا۔

"ہم یہ ظلم کب تک برداشت کریں گے؟" اس نے اپنے بزرگوں اور نوجوان ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟" ایک بزرگ چیونٹے نے الٹا سوال کیا۔

"ہم مقابلہ کریں گے اگرچہ ہم ہاتھی کے مقابلے میں نہایت کمزور ہیں لیکن ہم پھر بھی مقابلہ کریں گے۔ ہم بزدلی کی موت کی بجائے عزت کی موت قبول کریں گے" جب ہم نے کبھی نہ کبھی مرنا ہے تو کیوں نہ مقابلہ کرتے ہوئے مریں ہم بہت سے چھوٹے چیونٹے مل کر ہاتھی کا مقابلہ کریں گے شاید ہم اسے شکست دے ہی ڈالیں نوجوان چیونٹے نے ایک عزم سے کہا نوجوان چیونٹے کی یہ تقریر دیگر بہت سے چیونٹوں کو پسند آئی چنانچہ ہر طرف سے "ہم مقابلہ کریں گے ہم مقابلہ کریں گے" کی آوازیں آنے لگیں۔

چند دنوں بعد ہاتھی چیونٹیوں کی بستی پر حملہ آور ہوا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چیونٹیاں اور چیونٹے اس سے ڈر کر بھاگنے کی بجائے مقابلہ پر اتر آئیں ہیں ہاتھی نے سوچا چلو اچھا شکار ملا ہے اس نے اپنا بھاری پاؤں مار مار کر سینکڑوں ہزاروں چیونٹوں کو جان سے مار دیا البتہ چند چیونٹے ہاتھی کے پاؤں پر چڑھ کر اس کے جسم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے اپنے ڈنک ہاتھی کے جسم میں گاڑ دیئے لیکن ہاتھی کی موٹی جلد پر ان کے ڈنک کا کوئی اثر نہ ہوا چیونٹے کافی عرصہ ہاتھی کے جسم سے چمٹے رہے لیکن آخر کار تھک ہار کر اس کے جسم سے اتر کر واپس اپنی بستی میں پہنچ گئے۔ وہ غیور چیونٹا جس نے ہاتھی کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا جنگ کے دوران سب سے آگے تھا اور وہی ہاتھی کے بھاری پاؤں کا سب سے پہلے شکار ہوا۔ چیونٹیوں اور ہاتھی کی پہلی جنگ میں بظاہر کامیابی ہاتھی ہی کے حصے میں آئی اس جنگ کے بعد چیونٹیوں کا پورا قبیلہ مل کر بیٹھا اور مزید صلاح و مشورے کرنے لگا۔

"ہاتھی سے جنگ فضول ہے وہ ہم سب سے طاقتور ہے اس سے جنگ کا مطلب جانوں اور گھروں کی تباہی ہے" ایک بزرگ چیونٹے نے مشورہ دیا۔

"ہم جنگ جاری رکھیں گے ہم ایک نہ ایک دن اسے شکست دے کر رہیں گے" ایک نوجوان چیونٹے نے نعرہ مستانہ لگایا۔

"بدلہ' بدلہ' بدلہ" بہت سے چیونٹے پکار اٹھے۔

اور بالا آخر چیونٹیوں کی پنچایت نے فیصلہ کیا کہ آخری فتح تک جنگ جاری رہے گی جب دوسری جنگ ہوئی تو چیونٹے اپنی پلاننگ کے مطابق ہاتھی کے چاروں پاؤں کے ذریعے ہاتھی کے جسم پر پھیل گئے اور اس کے جسم کا کمزور اور نرم حصہ تلاش کرنے لگے۔ اس دن بھی بہت سے چیونٹے ہلاک ہو گئے لیکن اس دن چیونٹے ہاتھی کے جسم کا

کمزور اور نرم حصہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ہوا یہ کہ چند چیونٹے ہاتھی کی سونڈ میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ہاتھی کی سونڈ اندر سے نرم ہے انہوں نے سوچا کہ اگر سونڈ کے اندر ڈنک مارے جائیں تو ہاتھی کو شاید کوئی نقصان پہنچ سکے لیکن مصیبت یہ تھی کہ ہاتھی کی سونڈ کے اندر اتنی رطوبت تھی کہ سونڈ کے اندر پہنچنے والے بہت سے چیونٹے اس رطوبت میں پھنس کر مر گئے اور چند ایک چیونٹے ہی زندہ بچ کر واپس اپنے قبیلے میں پہنچ سکے۔

اس دن کے بعد ہاتھی اور چیونٹوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں ہاتھی آتا اور ان کے گھر تباہ کرتا اور سینکڑوں ہزاروں چیونٹیوں کو ہلاک کر دیتا چیونٹے اس کے جسم پر پہنچ کر اور اس کی سونڈ میں گھس کر اسے ڈنک مارتے لیکن ہاتھی ہر بار نقصان سے بچ جاتا۔ بہت سے چیونٹے بد دل بھی ہوتے لیکن اکثر چیونٹے بہادری سے اپنے موقف پر ڈٹے رہتے اور بالآخر ایک دن ان کی قربانی رنگ لائی۔

چند چیونٹے ہاتھی کی لمبی سونڈ کی مسافت طے کر کے ہاتھی کے دماغ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہاتھی کے سر کے اندرونی حصے میں پہنچ کر ڈنک مارنے شروع کر دیئے۔ ہاتھی کے دماغ کا اندورونی حصہ انتہائی نرم ونازک اور حساس تھا چیونٹوں کے ڈنک سے اسے بے پناہ اذیت محسوس ہوئی اور وہ درد سے چیخنے چلانے لگا چیونٹوں نے جب ہاتھی کو اذیت میں مبتلا ہو کر چیختے دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کا منصوبہ کامیاب ہو رہا ہے اور ان کا وار کاری ثابت ہونے لگا ہے انہوں نے ڈنک مارنے کی رفتار تیز کر دی۔

ہاتھی چیونٹوں کے پے درپے حملوں کی تاب نہ لا سکا اور زمین پر گر کر لوٹنے پوٹنے لگا اور کچھ دیر بعد درد کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

ہاتھی کے مرتے ہی سینکڑوں ہزاروں چیونٹے چیونٹیاں ہاتھی کے مردہ جسم پر سوار ہو گئے وہ اپنی فتح پر بہت خوش تھے۔

جنگل کے سارے جانوروں کو پتہ چل گیا کہ پہاڑ جیسے جسم والے ظالم اور گندے ہاتھی کو ننھی منی چیونٹیوں اور چیونٹوں نے مل کر شکست دے دی ہے اور اسے موت کے گھاٹ اتار کر سارے جنگل کو اس کے ظلم سے نجات دلا دی ہے سب جانوروں نے چیونٹیوں اور چیونٹوں کو مبارک باد دی اور انہوں نے تسلیم کیا کہ مل جل کر کمزور سے کمزور جانور بھی بڑے بڑے اور طاقتور جانوروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

عظیم مسلمان سائنسدان
البیرونی

تحریر = شیخ عبدالحمید عابد

نامور مسلمان سائنسدان ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی 973ء میں ایران کے شہر خوارزم کے قریب ایک گاؤں بیرون میں پیدا ہوئے ماں باپ غریب تھے لیکن البیرونی بچپن ہی سے نہایت ذہین تھا پڑھنے لکھنے میں دوسرے طالب علموں سے ہمیشہ آگے رہتا اس زمانے میں خوارزم کا بادشاہ محمد بن احمد تھا اس کا چچازاد بھائی منصور بن علی تھا وہ امیر ہونے کے ساتھ عالم اور فاضل بھی تھا اسے سائنس اور ریاضی سے خاص لگاؤ تھا البیرونی نے منصور بن علی کی شاگردی اختیار کی منصور بن علی نے اس پر خاص توجہ دی۔ استاد اور شاگرد دونوں نے مل کر سائنس پر تقریباً بارہ کتابیں لکھیں۔ آگے چل کر البیرونی نے کوئی ایک سو کتابیں لکھیں۔ اس کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب علم ہیئت پر "القانون المسعودی" ہے یہ کتاب آج بھی اس موضوع پر ایک عظیم کتاب سمجھی جاتی ہے دوسری کتاب "کتاب الہند" ہے۔ جس میں اس نے ہندوستان کا جغرافیہ لکھا یہاں کے لوگوں کے رہنے سہنے کے حالات کا ان کے طور طریقوں رسموں اور مذہبوں کی تفصیل بیان کی' وہ اپنی کتابوں میں لاہور، پشاور، ملتان، سیالکوٹ اور جہلم کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ وقت پنجاب ہی میں گزرا البیرونی کے اہم سائنسی کارناموں میں طول البلد اور عرض البلد کی دریافت اور دنیا میں پہلی بار قدرتی چشموں کے بارے میں یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ زمین کے نیچے پانی میں برقی کیمیائی عمل کے زور سے ابھرتے ہیں۔ اس نے دریا اور زمین کی گہرائی معلوم کرنے کا طریقہ بتایا۔ بہت سی جڑی بوٹیوں کے خواص کی وضاحت کی معدنیات کے علم میں بھی اہم اضافہ کیا البیرونی کا انتقال 1048ء میں ہوا وہ اسلامی دنیا کا ایک عظیم سائنسدان تھا ریاضی و فلکیات، معدنیات، علم طبقات الارض اور دواؤں کے خواص کا ماہر ہونے کے علاوہ ایک سیاح اور آثار قدیمہ کا عالم بھی تھا اس عظیم سائنسدان کی بعض کتابوں کے مغربی زبانوں میں ترجمے ہوئے جن سے مغرب والوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔

لطیفہ
کچھ یوں ہے

"بیٹا جلدی اٹھو سکول کا وقت ہو گیا ہے تمہیں سکول جانا ہے۔"
ماں نے اپنے بیٹے کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔
امی میں سکول نہیں جاؤں گا مجھے سکول سے نفرت ہے مجھے بچے بھی پسند نہیں کرتے استاد مجھ سے نفرت کرتے ہیں سکول کا سارا اسٹاف مجھے ناپسند کرتا ہے مگر تمہیں سکول جانا ہو گا ماں بولی تم اب بچے نہیں ہو 50 سال کے آدمی ہو اور سکول کے ہیڈ ماسٹر ہو۔

○ ایک خاتون نے دیکھا کہ اس کا بچہ تمام ہوم ورک سرخ پنسل سے کرتا ہے بڑی پریشان ہوئیں کہ کہیں بچہ نفسیاتی مریض تو نہیں بن گیا بچے کو لے کر ماہر نفسیات کے پاس گئیں ماہر نفسیات نے پیار سے بچے سے پوچھا بیٹے تم صرف سرخ پنسل ہی کیوں استعمال کرتے ہو۔ کوئی اور رنگ کی پنسل کیوں نہیں استعمال کرتے؟" میرے پاس کسی اور رنگ کی پنسل ہے ہی نہیں" بچے نے معصومیت سے جواب دیا۔

(محمد یونس حسن چشتیاں شریف)
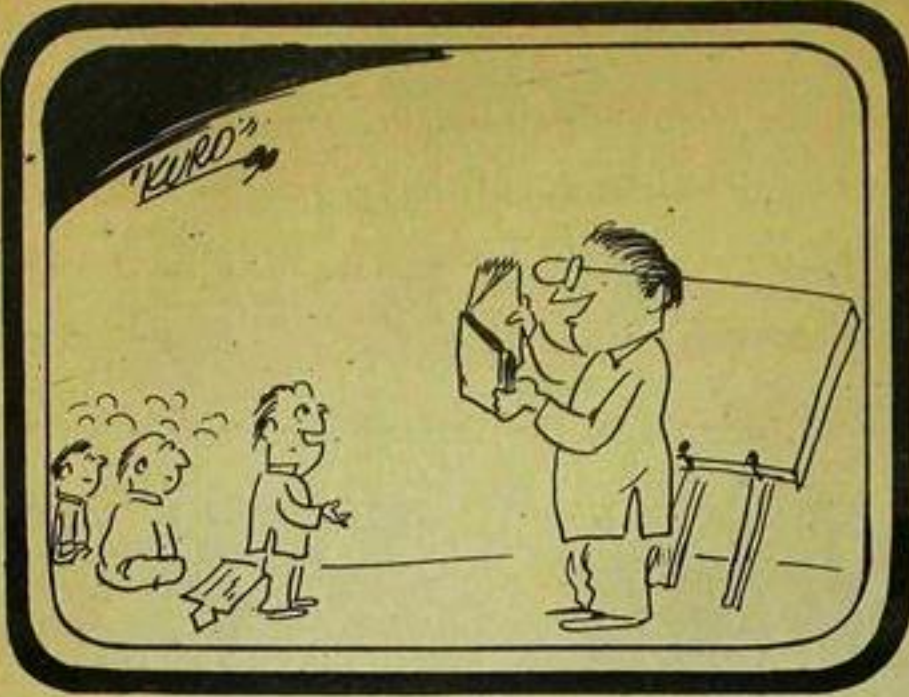
ماسکو کے ایک پرائمری سکول میں استاد نے شاگردوں سے کہا ہم کتنے خوش نصیب ہیں جو روس میں پیدا ہوئے ہمارے یہاں ہر خاندان کے لئے نفیس ترین اپارٹمنٹس مفت ہیں اعلیٰ درجے کی خوراک اور بچوں کے لئے جدید ترین سکول اور کھلونے فراہم ہیں روس کسی جنت سے کم نہیں۔ یہ سن کر ایک شاگرد کھڑا ہوا اور بولا۔
سر میں روس جا کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

(شیخ وقاص احمد چونکی)

تین انگریز ایک دیہاتی ریلوے اسٹیشن پر اترے انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا کیا یہ ریلوے اسٹیشن ہے آدمی نے جواب دیا "آہو جی"
انہوں نے ایک اور آدمی سے یہی سوال کیا اس نے بھی یہی جواب دیا تب انہوں نے ایک اور نوجوان سے پوچھا کیا یہ ریلوے اسٹیشن ہے؟ نوجوان نے جواب دیا "جی ہاں"
انگریزوں نے نوجوان کو بتایا کہ یہی سوال ہم نے پہلے دو آدمیوں سے کیا تھا انہوں نے آہو جی کہا تھا آہو جی کیا ہوتی ہے؟ "پڑھے لکھے جی ہاں اور ان پڑھ آہو جی کہتے ہیں"۔ نوجوان نے جواب دیا۔
کیا تم پڑھے لکھے ہو؟
"آہو جی" نوجوان نے جواب دیا۔

ایک صاحب نے اپنے گھر میں بجلی کی فٹنگ کروائی کام کرنے والے نے کام سے فارغ ہو کر ان صاحب سے کہا۔
"جناب! بلب چالیس کا لگاؤں یا 60 کا یا 100 کا" وہ صاحب گھبرا کر بولے "نہ نہ بھائی! میں غریب آدمی ہوں دو چار روپے کا لگا دو"

(سید اعزاز الحسن کوہاٹ)

☆......ایک آدمی ایک دعوت میں بہت زیادہ کھانا کھا رہا تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔
ایک آدمی نے اس سے کہا کھانے کے درمیان میں پانی بھی پی لیا کرتے ہیں!
اس نے جواب دیا جب درمیان آئے گا تو پانی بھی پی لیں گے۔
ثروت رانی بسارت علی۔ سیالکوٹ

مریض = ڈاکٹر صاحب مجھے بھوک نہیں لگتی۔
مریض = تو فکر کی کیا بات ہے روٹی مجھے دے جایا کرو

(عمران خان فیصل آباد)

پھر یوں ہوا

یہ ان ساتھیوں کے نام ہیں جنھوں نے "پھر یوں ہوا" کی تصاویر پہ کہانیاں تحریر کی ہیں۔ قرعہ اندازی کے ذریعے انعام کے حقدار قرار پانے والے ساتھی یہ ہیں۔

عاطف رضا خان ملتان روڈ لاہور' امجد جاوید قطب پورہ لودھراں' کامران اقبال کمشنر روڈ سیالکوٹ' عمران قادر عقب ریلوے سٹیشن شجاع آباد' ساجد حسین ساجد وہاڑی' راحیل قریشی حیدر آباد' ایس ایم اعجاز حیدر گلشن راوی لاہور' ہماء سنبل آئی ایس ایس بی کوہاٹ' علی محمود سمن آباد لاہور' زاہد محمود زاہد فیض آباد اوکاڑہ' فیصل محمود مانسہرہ' محمد شعیب خان فیصل آباد' ناصر سہیل چوک لوہاراں' کاشف اشفاق خالد محمود عاصم' مسلم کالونی ملتان' رفیق سجاد ملتان' محمد ارشد وسیم چک 81 ج۔ ب' عرفات امیر شاہد باغبانپورہ لاہور' توفیق سجاول اسلام آباد' رفیق علی لاہور کینٹ' امیر حمزہ پلوویس خوشاب' شبانہ کریم طارق آباد راولپنڈی' رانا عبدالحمید حج پنی روڈ ملتان' منظور مصطفٰی ناظم آباد کراچی' عمر حیات ڈوگر گنڈا سنگھ والا' خالد قیوم بٹ ویرہ کشمیر' شیر علی سکھیکی منڈی' سلطان ظہیرالدین حیدر لانڈھی کراچی' صابر حمید معصوم شاہ ملتان' مجتبیٰ حاشر شاداب کالونی ملتان' عبدالبصیر چغتائی ڈیرہ غازی خان' ثمرہ منیر چنیوٹ' رئیس احمد مغل مرشد آباد پشاور' ارشد رضا لانڈھی کراچی' مصطفٰی طاہر گجرات' میمونہ اشرف شیخوپورہ' عنبرین لطیف سلمان اکبر بٹ نامعلوم' ارجمند نگیں لاہور' ذیشان بن نذیر فیصل آباد' مقبول احمد اختر میانوالی' عرفان مغل کالا گھمنان' محمد اکمل قصور' گل نوخیز اختر نیو ملتان۔

گل نوخیز اختر...... نیو ملتان کی کہانی سب سے معیاری اور خوبصورت قرار پائی۔ انہیں ایک سال کیلئے پھول مفت ملتا رہے گا۔

یہ رہی انعامی کہانی

آبی سیارہ

وہ دیکھو...... اچانک ماریہ چلائی اور معاذ چونک کر نیچے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ نیچے ایک بہت بڑا دریا نظر آ رہا تھا۔

معاذ کیا زمین کے علاوہ بھی کسی اور سیارے پر پانی ہے؟...... ماریہ بڑبڑائی۔

پتہ نہیں...... میں تو خود حیران ہوں...... بہرحال ہم یہاں ضرور اتریں گے...... معاذ نے جوش سے کہا۔

اس نے آہستہ آہستہ اڑن طشتری کو اتارنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں طشتری دریا کی سطح پر کھڑی ہو گئی۔ ماریہ نے جلدی سے دروازہ کھولا اور باہر آ گئی۔ وہ گھومتی گھومتی طشتری کی دوسری سائیڈ پر آ گئی۔ ارے یہ کیا؟...... ماریہ نے حیرت سے دیکھا۔ سامنے ہی بچوں کی شکل کی مخلوقیں آ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے پانی میں بچے تیر رہے ہوں۔ وہ ایک ننھی سی کشتی کو گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے۔

ماریہ نے ہاتھ سے انہیں بلایا۔ اور وہ اور بھی تیزی سے تیرنے لگے۔

معاذ نے طشتری کا دروازہ کھولا تو چونک اٹھا۔ یہ ماریہ کدھر گئی...... دراصل ماریہ طشتری کی دوسری سائیڈ پر تھی اس لئے معاذ پریشان ہو گیا۔ وہ طشتری کے کنارے پر کھڑا ہو کر دور دیکھنے لگا۔

ماریہ کے اشارہ کرتے ہی بہت سے بچے طشتری پر چڑھ آئے۔ اور طشتری ڈگمگا سی گئی۔ ایک چھپاکے کی آواز آئی اور معاذ جو کنارے پر کھڑا تھا پانی میں جا گرا لیکن ماریہ کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

تم کون ہو پیاری لڑکی...... ؟ایک بچے نے پوچھا۔

ارے...... یہ تو بول بھی لیتے ہیں...... میرا نام ماریہ ہے اور ہم خلائی سیر پر نکلے ہوئے ہیں اور آپ کے سیارے پر آ پہنچے ہیں...... ماریہ نے خوشدلی سے کہا۔

ہم آپ کو اپنے سیارے پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ وہ دیکھئے سورج طلوع ہو رہا ہے...... اور آج ہمارا جشن بھی شروع ہونے والا ہے آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے۔ ایک بچے نے آگے آتے ہوئے کہا۔

ضرور کیوں نہیں لیکن میرا ساتھی معاذ ابھی طشتری میں ہے۔ میں اور وہ اکٹھے آئیں گے۔ ماریہ نے کہا۔ تو پھر ٹھیک ہے...... ہم یہ جو کشتی لائے ہیں یہ باندھے جا رہے ہیں آپ اپنے ساتھی کے ساتھ جلد آنے کی کوشش کریں...... ایک بچے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں...... یہ ٹھیک رہے گا۔ اچھا خدا حافظ...... ماریہ نے تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ اور سارے بچے خوشی خوشی واپس ہو لئے۔

معاذ ذرا نیچے تو آؤ...... اس جزیرے کی مخلوق تو بہت اچھی ہے...... ماریہ نے آواز دی لیکن خاموشی رہی۔ ماریہ نے ساری طشتری چھان ماری لیکن معاذ کہیں نظر نہ آیا۔

معاذ...... معاذ...... ماریہ چلائی۔ آخر معاذ کہاں چلا گیا۔ ماریہ نے پریشانی سے سوچا۔

اچانک اسے کوئی خیال آیا اس نے بچوں کی دی ہوئی کشتی کو کھولا اور اس میں بیٹھ کر چپو چلانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے وہ جگہ نظر آ گئی جہاں بچوں کا جشن تھا۔ اس نے اور تیزی سے چپو چلانے شروع کر دیے۔ بچے اسے دیکھ کر خوشی سے چھلانگیں لگانے لگے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی میز کھانے پینے کی اشیاء سے بھر رکھی تھی۔ ماریہ ان کے قریب پہنچ گئی۔

ہیلو لڑکی...... تم اکیلی آ گئی...... تمہارا دوسرا ساتھی کدھر ہے؟ بچوں نے حیرت سے پوچھا۔

مجھے نہیں معلوم وہ کدھر غائب ہو گیا۔ ماریہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

تم لوگ اسے تلاش کر دو نا...... ماریہ نے روتے ہوئے کہا۔

یہ تو بہت برا ہوا...... اچھا تم ایسا کرو کہ وہ جو سامنے ہمارے ساتھی مچھلیاں پکڑ رہے ہیں تم ان کے پاس چلی جاؤ وہ تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ ایک بچے نے ہمدردی سے کہا۔

ماریہ نے تیزی سے پھر کشتی سنبھالی اور ادھر کو چل دی۔ سنئے...... میرا ساتھی کہیں کھو گیا ہے۔ آپ اسے تلاش کر دیں...... میرا خیال ہے کہ وہ پانی میں نہ گر گیا ہو...... ماریہ نے انہیں پکارا۔

کیا کہا...... اگر وہ پانی میں گر گیا ہے تو پھر شاید ہی وہ بچ سکے۔ کیونکہ اس پانی میں بڑے خونخوار سانپ رہتے ہیں۔ بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ خیر تم ایسا کرو کہ ہمارے استاد کے پاس چلی جاؤ وہ...... سامنے اس کا سکول ہے۔ وہ مچھلیوں اور سانپوں کے متعلق جانتا ہے۔ وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیسے اپنے ساتھی کو پانی میں سے نکال سکتی ہو...... ایک بچے نے اشارہ کیا۔ اور ماریہ نے ایک بار پھر کشتی سنبھالی اور ادھر کا رخ کیا۔ استاد بچے نے جیسے ہی اس کی بات سنی وہ اچھل پڑا کیا واقعی تم لوگ اڑن طشتری پر آئے ہو؟! استاد بچے نے پوچھا۔

جی محترم استاد...... ماریہ نے کہا

اگر ایسی بات ہے تو فوراً تم طشتری کو اڑا لے جاؤ یہ پانی بہت تیزابی ہے اور اگر کچھ دیر اور تمہاری طشتری اس میں رہی تو تباہ ہو جائے گی۔ استاد نے گھبراتے ہوئے کہا

اور ماریہ کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ اس نے تیزی سے چپو سنبھالے اور طشتری کی طرف رخ موڑ دیا۔ اگر طشتری کو کچھ ہو گیا تو پھر یہی سیارہ ہمارا مقدر بن جائے گا۔ ماریہ نے سوچا اور ڈر گئی۔

اسے دور سے ہی طشتری نظر آنے لگی اس نے چپو اور تیز کر دیے۔ اچانک وہ چونک اٹھی۔

طشتری پر معاذ زور زور سے ہاتھ ہلا کر اسے جلدی پہنچنے کی تاکید کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ طشتری کے قریب پہنچی فوراً معاذ نے اسے اوپر کھینچ لیا۔

معاذ تم کہاں گئے تھے...... ماریہ نے پوچھا۔

یہ وقت ان باتوں کا نہیں تم فوراً کنٹرول روم میں آؤ...... معاذ نے تیزی سے کہا۔

لیکن معاذ وہ سب بہت پر خلوص دوست ہیں اور...... بس کرو ماریہ...... اگر دیر ہو گئی تو طشتری دھماکے سے پھٹ جائے گی۔ واقعی یہ پانی بہت خطرناک ہے۔ وہ تو میں نے نیچے مخصوص لباس پہن رکھا تھا ورنہ کبھی کا مر چکا ہوتا۔ معاذ نے تیزی سے کہا۔

اور ماریہ نے بے دلی سے بٹن دبا دیا اور طشتری اوپر اٹھتی چلی گئی۔ ماریہ اپنے پر خلوص دوستوں سے دور ہوتے ہوئے افسردہ ہو گئی۔ اڑن طشتری اپنی پوری رفتار سے نئے سفر پر رواں دواں تھی۔

چکلالہ راولپنڈی سے کاشف اشفاق نے "آبی سیارے" کے نام سے اچھی کہانی لکھی ہے۔ انہیں تین ماہ کیلئے پھول اعزازی طور پر ملتا رہے گا۔

بلاعنوان کا عنوان

بلاعنوان کے عنوان سے جو کہانی شائع کی گئی تھی وہ بے حد پسند کی گئی۔ مندرجہ ذیل ساتھیوں کے اس پر عنوانات زیادہ پسند کئے گئے۔ کنری سندھ سے عبدالرزاق رضا کا عنوان ہے دریا دل۔ پیپلز کالونی فیض آباد سے شازیہ شریف کا عنوان ہے عظمت کردار۔ سرڈھیری چارسدہ سے شائستہ اکرام کا عنوان سخاوت کی برکت صدر بازار لاہور سے سلمان ظہیر کا عنوان اعلیٰ ظرفی۔ انہیں پھول کا تحفہ انشاء اللہ جلد ارسال کر دیا جائے گا۔ دیگر اچھے عنوانات بھیجنے والے ساتھیوں میں نسرین منظور بھٹی کاموکی' میمونہ اشرف' محمد کاشف ارشاد لاہور' سلطان بشیر اسلام آباد محمد جواد اصغر فیصل آباد' نائلہ بختیار کوہاٹ' رائے عبدالوحید بھٹی میاں چنوں محمد عرفان مغل کالا گھمنان علی عباس شمس ٹیکسٹائل ملز علی اکمل قصور۔

جی ہاں آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ

"پھول بڑا مقبول" کے لئے خط ہمیشہ علیحدہ کاغذ پہ لکھئے۔

کہانی صفحے کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر لکھئے۔

ہر انعامی اور آزمائشی مقابلے کے لئے علیحدہ علیحدہ کاغذ استعمال کیجئے۔ چھوٹے چھوٹے کاغذ پھاڑ کر نہ لکھئے۔ سارے کاغذ ایک ہی سائز کے استعمال کریں اب بھولئے گا نہیں۔

"مجھ سے ملئے" اور "نئے لطائف" کے کوپن اس ماہ نہیں دیئے جا رہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ماشاء اللہ سٹاک کافی ہو گیا ہے۔ ذرا یہ شائع ہو جائے پھر نئے تعارف اور مزید لطائف کے لئے دعوت دیں گے۔

آپ کے ایڈیٹر بھیا

کارٹون کہانی

ایک تصوراتی دنیا کی کہانی ہے..... جہاں لال بیگ انسانوں جتنے بڑے تھے اور ویسے ہی مزے سے رہتے تھے جیسے ہم رہتے ہیں۔ مگر ایک بات جو ہمارے مصور نے اس تصویری کارٹون کہانی میں دکھائی ہے وہ دیکھ کر آپ بھی مسکرائے بنا نہیں رہیں گے اور وہ ہے..... چلیں پہلے کہانی پڑھ لیں۔

"لالو میاں" لال بیگ لمبے سفر سے واپس اپنے گھر پہنچے تو بہت تھکے ہوئے تھے اور بھوکے بھی..... وہ سیڑھیاں چڑھتے ہانپتے کانپتے سیدھے باورچی خانے پہنچے تاکہ بھوک مٹا سکیں مگر جونہی انہوں نے لائٹ آن کی..... اوہو! زیادہ دن باورچی خانہ بند رہنے کے باعث واش بیسن سے لے کر ہر برتن اور الماری میں چھپے اور باورچی خانے میں پڑے کھانوں کے مزے اڑاتے چھوٹے چھوٹے انسان جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگے آپ بس خود ہی سوچیں باورچی خانے میں لال بیگ دیکھ کر آپ کا جو حال ہوتا ہے وہی حال "لالو میاں" لال بیگ کا بھی ہوا ہوگا..... اوئی اوئی کرتے باہر بھاگے ہوں گے..... مصور نے آپ کے ڈرنے کا بدلہ لال بیگ کو ڈرا کر لے لیا ہے۔

کارٹون: مصور اختر

پھر یوں ہوا...
معاذ اور ماریہ کا نئی دنیاؤں کا دلچسپ سفر جاری ہے اس بار ان کی اڑن طشتری انہیں ایک بار پھر
عجیب و غریب سیارے پر لے گئی۔ ذرا غور سے ملاحظہ کریں ہے نا عجیب و غریب!
سب سے اچھی مختصر کہانی لکھنے پر تحفہ بھی ملتا ہے چلیں بسم اللہ کریں اور اچھی سی کہانی لکھ کر جلدی بھجوا دیں
CLOSED

8
9
10
11
12
13
14
HA
HA
HA
15
16
17
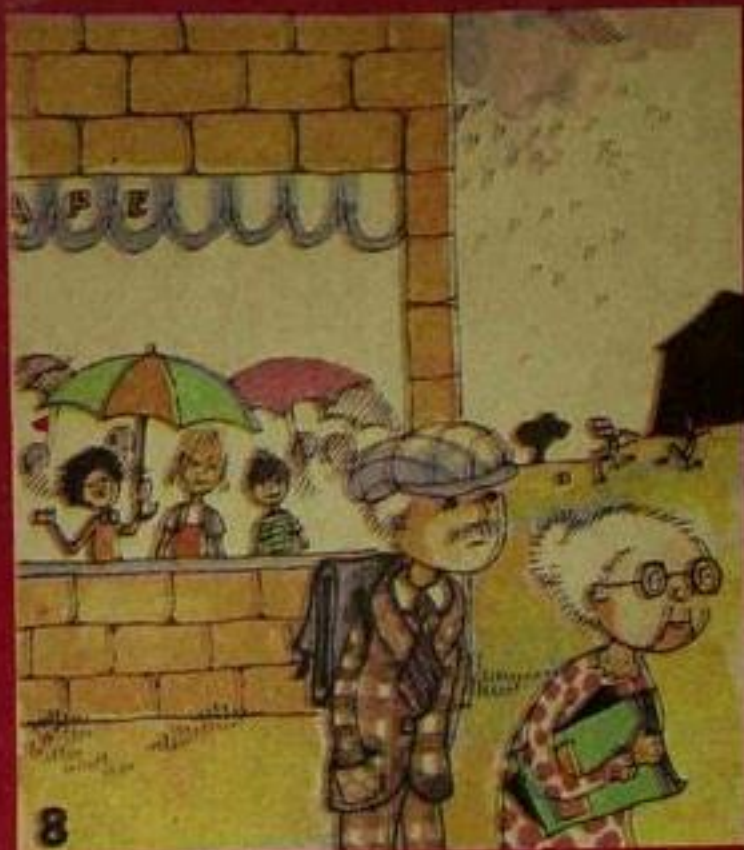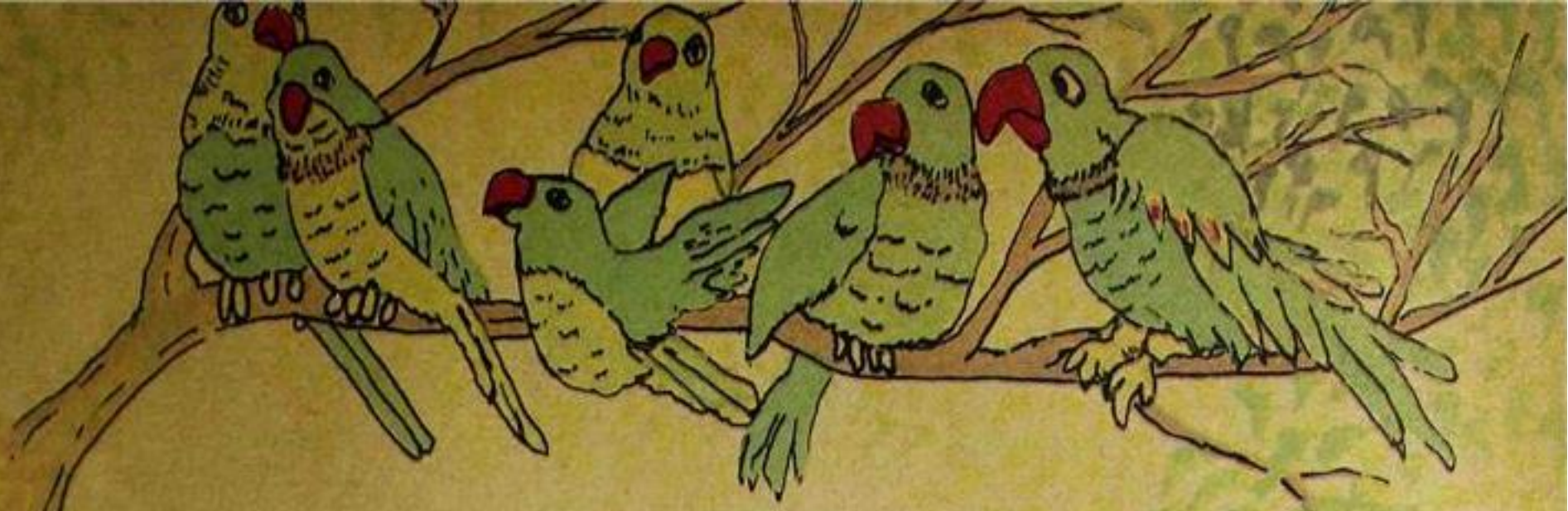
دوست کی تلاش

اختر عباس
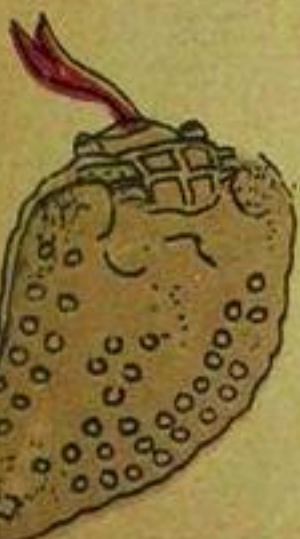
سیلیا بالکل اکیلا تھا۔ پورے جنگل میں اس کا کوئی دوست نہ تھا۔ وہ کھیلتا تو کس کے ساتھ۔ وہ تو کسی کے ساتھ دوستی بھی کرنا چاہتا تو وہ ڈر کر یوں بھاگتا جیسے کوا غلیل سے بھاگتا ہے۔ اس کا گھر کیلے کے درختوں کے جھنڈ میں تھا کیلے کے پتے بڑے بڑے پروں کی طرح جھومتے رہتے۔ وہ اپنے آپ کو درخت کے گرد اس طرح سے لپیٹ لیتا کہ دور سے یہی لگتا جیسے کوئی بھوری سی شاخ جھول رہی ہے۔ پھر وہ جب اپنے لپٹے ہوئے بل کھولتا تو کسی لمبے سے بھورے رسے کی مانند لٹکتا محسوس ہوتا۔ عام طور پر وہ ایسا اس وقت کرتا جب بندریا کے بچے کہیں قریب ناریل سے کھیلتے نظر آتے۔ وہ انہیں دیکھنے کیلئے لٹک جاتا۔ انہیں کھیلتے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگتیں وہ بڑا بے چین ہو جاتا۔ اس کا جی چاہتا کہ بس کسی طرح سے وہ بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگ جائے۔ اس کی دو شاخہ زبان منہ سے کبھی باہر نکل آتی کبھی اندر چلی جاتی۔ وہ بے چینی سے ان کے ساتھ شامل ہونے کا سوچتا رہتا مگر جونہی وہ نیچے اتر کر ان کے ذرا قریب جانے کی کوشش کرتا بندریا فوراً اپنے بچوں کو پکارتی۔

"بچو بھاگ کر آجاؤ۔ اب فٹ بال کھیلنا بند کر دو۔ سیلیا قریب ہی ہے اور تمہیں پتہ ہے سانپ کاٹ بھی لیتا ہے"

بالکل ایسا ہی اس روز بھی ہوا جب سیلیا بڑی مشکل سے رینگتا رینگتا ایک لمبے سے تنگ سوراخ سے گزر کر اس بھٹ میں پہنچا جہاں شیرنی کے بچے رہتے تھے۔ جونہی بچوں کی ماں نے سیلیا کو دیکھا وہ دھاڑی "وہ دیکھو سیلیا آرہا ہے"

اگلے ہی لمحے بچے کھیلنا چھوڑ کر اپنی ماں کے ساتھ بھٹ سے باہر چلے گئے۔ سیلیا اتنی حسرت سے انہیں دیکھنے اور ان کے ساتھ کھیلنے آیا تھا مگر انہوں نے تو بات کرنا بھی گوارا نہ کی اور وہاں سے بھاگ لئے

اور تو اور سیلیا ایک روز درخت کی اوپر والی ٹہنیوں کی طرف جا رہا تھا جہاں بہت سے طوطے بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اچانک ایک طوطے نے اسے دیکھا اور پھر شور مچا دیا۔ یوں بے چارے سیلیا کے ان کے قریب پہنچنے سے قبل ہی وہ سارے اڑ گئے۔ وہ تو کسی کو کاٹنا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی تو صرف اتنی خواہش تھی کہ کوئی اس کا دوست بن جائے اور اس کے ساتھ کھیلے۔ وہ بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی اداسی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک دن بہت گرمی تھی۔ دوپہر کو بھی جانور اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ بندریا اپنے بچوں کے ساتھ ناریل کے درخت کے نیچے مزے سے سو رہی تھی۔ خود سیلیا کیلے کے بڑے بڑے پتوں پر خاموشی سے لیٹا ہوا تھا چاروں جانب بالکل خاموشی تھی کہیں سے کوئی ذرا سی آواز تک نہیں آ رہی تھی۔

اچانک سیلیا نے قریب سے کسی کی آہستہ آہستہ رونے کی آواز سنی اسے لگا شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر نہیں! آواز تو کیلے کی اوپر والی شاخوں سے آ رہی تھی۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

اوہ۔ اوپر سب سے پتلی شاخ پر جہاں کیلوں کا بڑا سا گچھا لٹک رہا تھا۔ ماتھلو بیٹھی رو رہی تھی۔ ماتھلو بندریا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ وہ جونہی نیچے دیکھتی زمین کو دور دیکھ کر پریشانی سے اور رونے لگتی شاخ تھی کہ کسی بھی لمحے ٹوٹنے کو تھی۔۔ وہ وہاں اکیلی بیٹھی کانپ رہی تھی۔

"ارے ماتھلو تم وہاں کیا کر رہی ہو؟"

سیلیا نے حیرت سے پوچھا۔ "تم تو اتنی چھوٹی ہو پھر اتنی اونچائی پر اکیلی اپنے آپ کیسے پہنچی؟"

ماتھلو کو بڑی شرم آئی۔ وہ آنکھیں جھپکا کر بتلانے لگی۔

"اصل میں مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی اور یہاں اس اونچی شاخ پر بہت سے مزیدار کیلے لٹک رہے تھے۔ میں نے سوچا ابھی تو سو رہے ہیں میں بھاگ کر تھوڑے سے کھا آتی ہوں" ماتھلو اپنے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔

"پیارے سیلیا انکل، پتا ہے میں نے بہت سارے کیلے کھا لئے ہیں۔ اب میری طبیعت بھی خراب ہو رہی ہے اور سمجھ نہیں آ رہی کہ
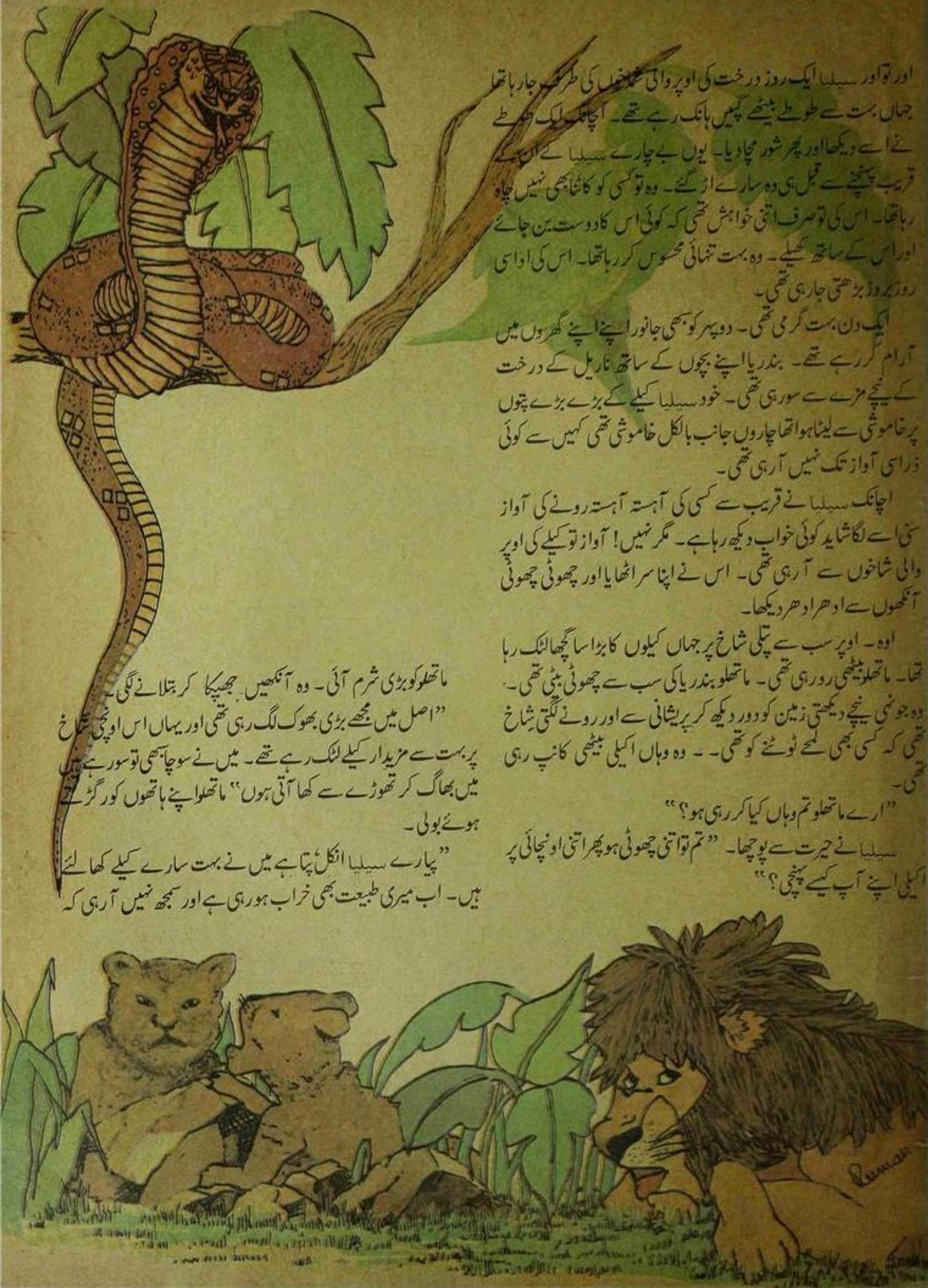
نیچے کس طرح اتروں؟"

سیلیا نے اپنی دم سے سر کو ذرا سا کھجایا۔ ایک دو منٹ کیلئے خاموشی سے سوچا۔ پھر اسے ایک ترکیب سوجھی۔

ماتھلو میں اپنی دم کو تمہارے آس پاس لہرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم اسے پکڑ لینا۔ پھر میں اسے نیچے لٹکا دوں گا لمبے رسے کی طرح تاکہ تم آسانی سے زمین تک پہنچ جاؤ۔

ماتھلو خوشی سے تالیاں پیٹنے لگی جس سے سیلیا کو بڑا ہی مزہ آیا۔

وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ سیلیا نے دور سے اپنی دم کو لہراتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے قریب کرنا شروع کیا۔ اتنا قریب کہ ماتھلو کو اس کا لمس محسوس ہونے لگا۔

"ارے اتنی نرم۔ اتنی پھسلن والی" ماتھلو چلائی اس نے اپنے ننھے منّے گلابی ہاتھوں سے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔

"ہاں بھئی تیار ہو جاؤ" سیلیا دور سے پکارا۔

اور اگلے ہی لمحے ماتھلو کے منہ سے خوشی سے اوہ۔ دو...... دو" کی آواز نکلی اور پھسلتی ہوئی بڑے آرام اور مزے سے زمین پر پہنچ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے محفوظ طریقے سے پھسلتی ہوئی نیچے پہنچ چکی ہے۔ اسی اثناء میں ماتھلو کی امی کی آنکھ کھل گئی۔

"ماتھلو کیا کر رہی ہو ادھر کیلے کے پاس؟" وہ چلائی۔ "تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے ادھر مت جایا کرو۔ کسی روز سیلیا کے قابو آ گئی تو کاٹ کھائے گا"

"مگر ماں!" ماتھلو نے کہا اور پوری داستان سنانے لگی۔ "سیلیا نے تو مشکل میں میرا اتنا ساتھ دیا ہے مجھے نہ صرف اتنی اوپر سے گرنے سے بچایا بلکہ نیچے بھی اتارا ہے۔"

سیلیا اس وقت اپنے بل کھول رہا تھا۔ جب ماتھلو کی امی اس کے پاس آئی۔ "سیلیا بھیا تمہارا بہت بہت شکریہ! تم نے میری بیٹی کی مدد کر کے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے، ہم تمہارے ساتھ بڑا نامناسب سلوک کرتے رہے ہیں"

اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "اب پلیز تم میرے ساتھ آؤ گھر چلتے ہیں ہم تمہاری ناریل کے دودھ سے تواضع کریں اور آئندہ سے اچھے دوست بن کر رہیں گے۔"

اس دن کے بعد تو اکثر ہی دیکھا گیا کہ سیلیا ماتھلو اور اس کے دوسرے بھائی بہنوں کو خوب جھولے دیتا رہتا۔ انہیں خوش کرنے کیلئے کبھی وہ اپنی دم کو کسی شاخ سے باندھ دیتا اور کبھی ویسے ہی سے اکٹھا کر کے گٹھری سی بن جاتا...... اب وہ کبھی اداس نہ ہوتا۔ کیونکہ اب وہ اکیلا تھوڑا ہی تھا۔ اسے اچھے اور محبت کرنے والے دوست جو مل گئے تھے۔

کچھوے میاں

ایسا مزے کا کھلونا نہ پہلے آپ نے بنایا ہو گا اور نہ ہی کسی کو کھیلتے دیکھا ہو گا۔ آپ کو بناتے اور سیر پر ساتھ لے جاتے دیکھ کر آپ کے دوست اور ہمسائے یقیناً حیرت سے انگلیاں دانتوں تلے داب لیں گے   ہے، جو بالکل نئی طرز کا۔

تو لیجئے تیار ہو جائیں۔ ایک چھوٹا سا ڈبہ ڈھونڈیں یا بنائیں اور ایک ذرا بڑے سائز کی بال بھی جسے ڈبے کے نیچے رکھا جا سکے اب ان تصاویر کو کسی موٹے کاغذ پر لگا کر سفید حصے کو ڈبے کے ساتھ جوڑ دیں۔ ڈبے کو بال کے اوپر رکھئے اور کچھوے میاں کے منہ کے آگے بنے سوراخ میں دھاگا ڈال کر اسے سیر کروانے کے لئے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیں   کچھ ہی دیر بعد اسے اس سیر میں مزہ آنے لگے گا اور یہ آپ کے پیچھے پیچھے ہنستا کھیلتا چلنا شروع کر دے گا۔
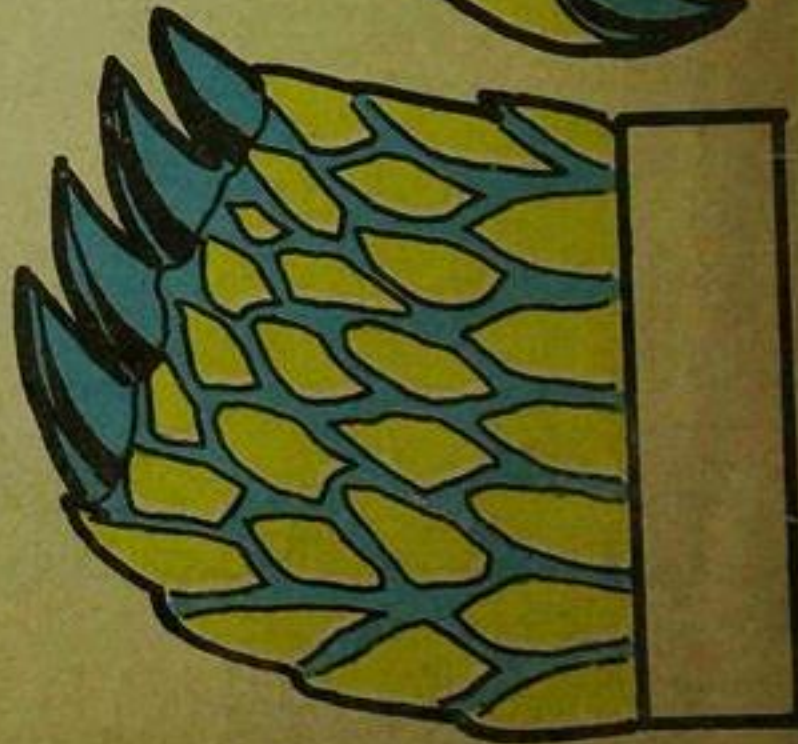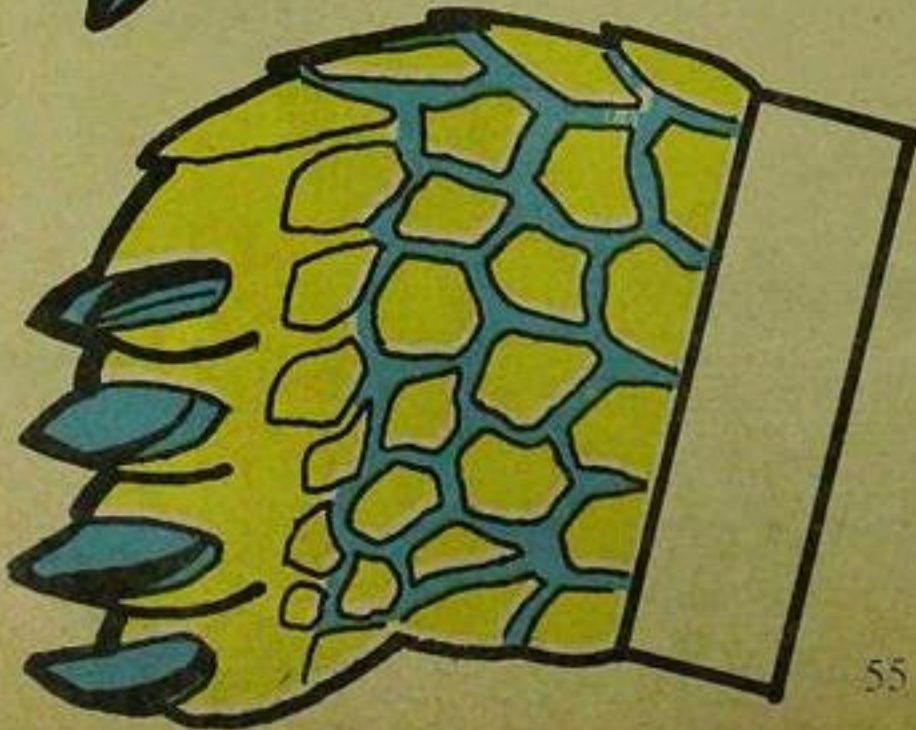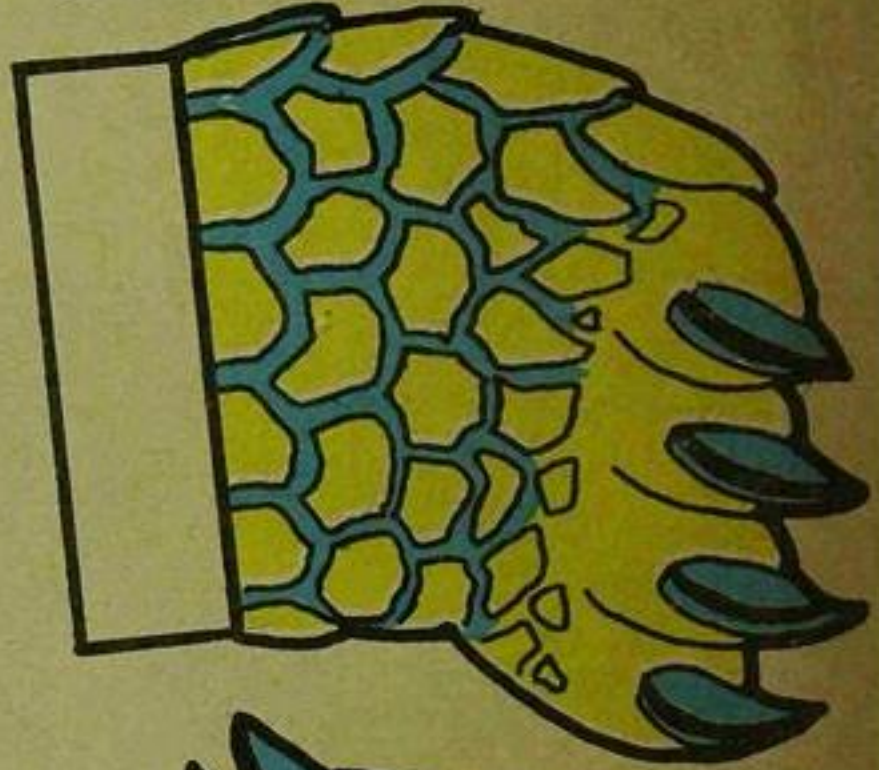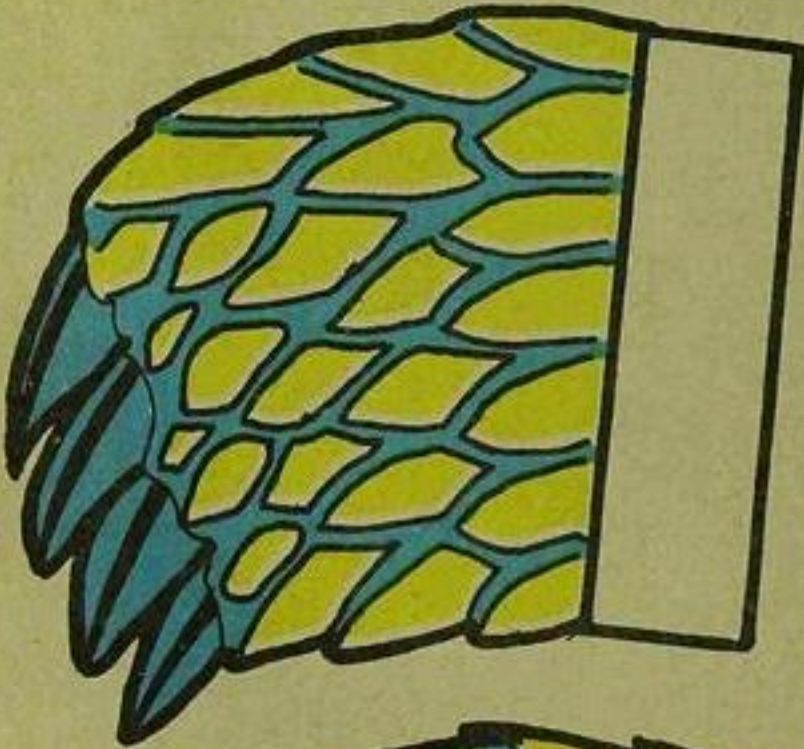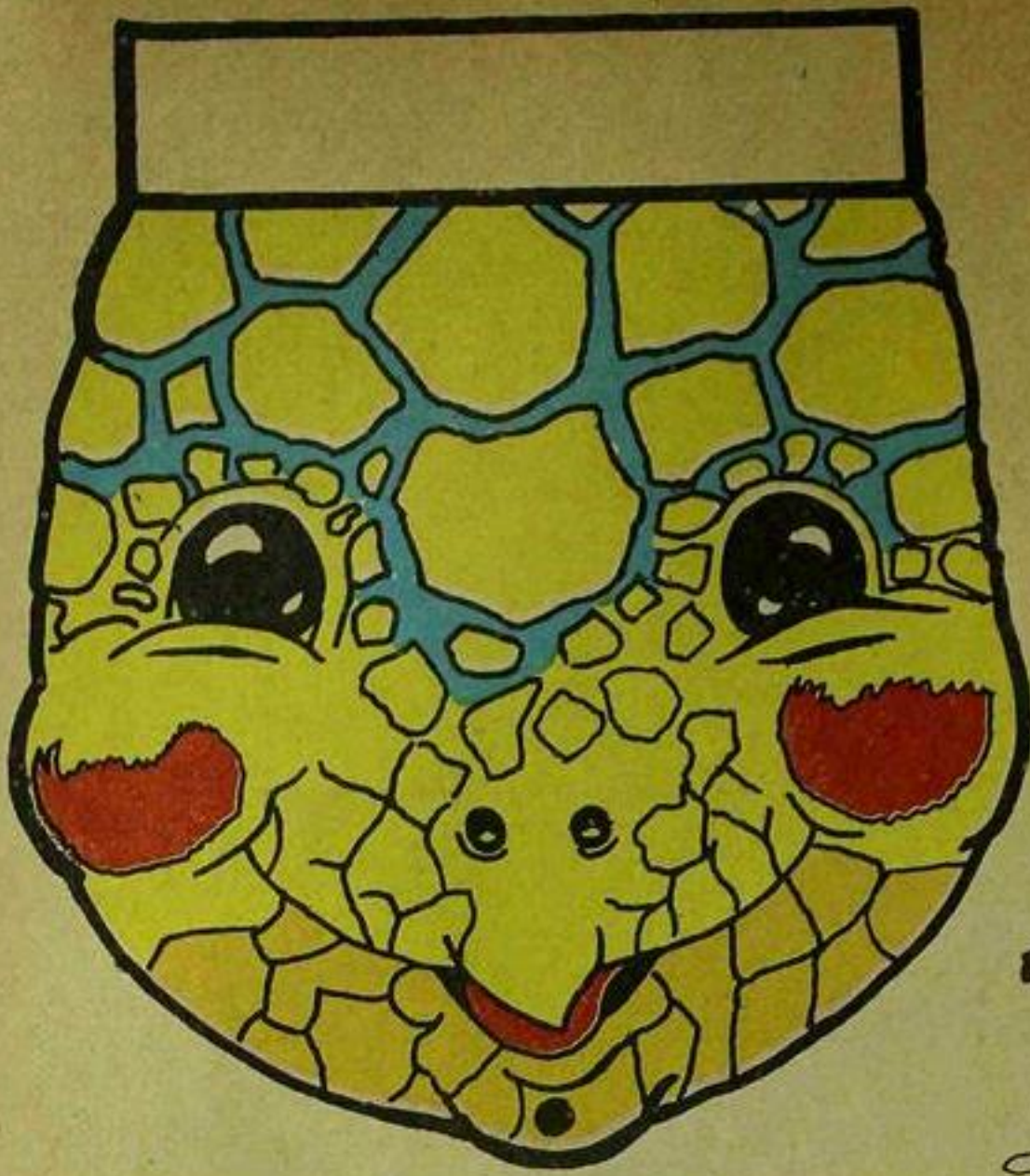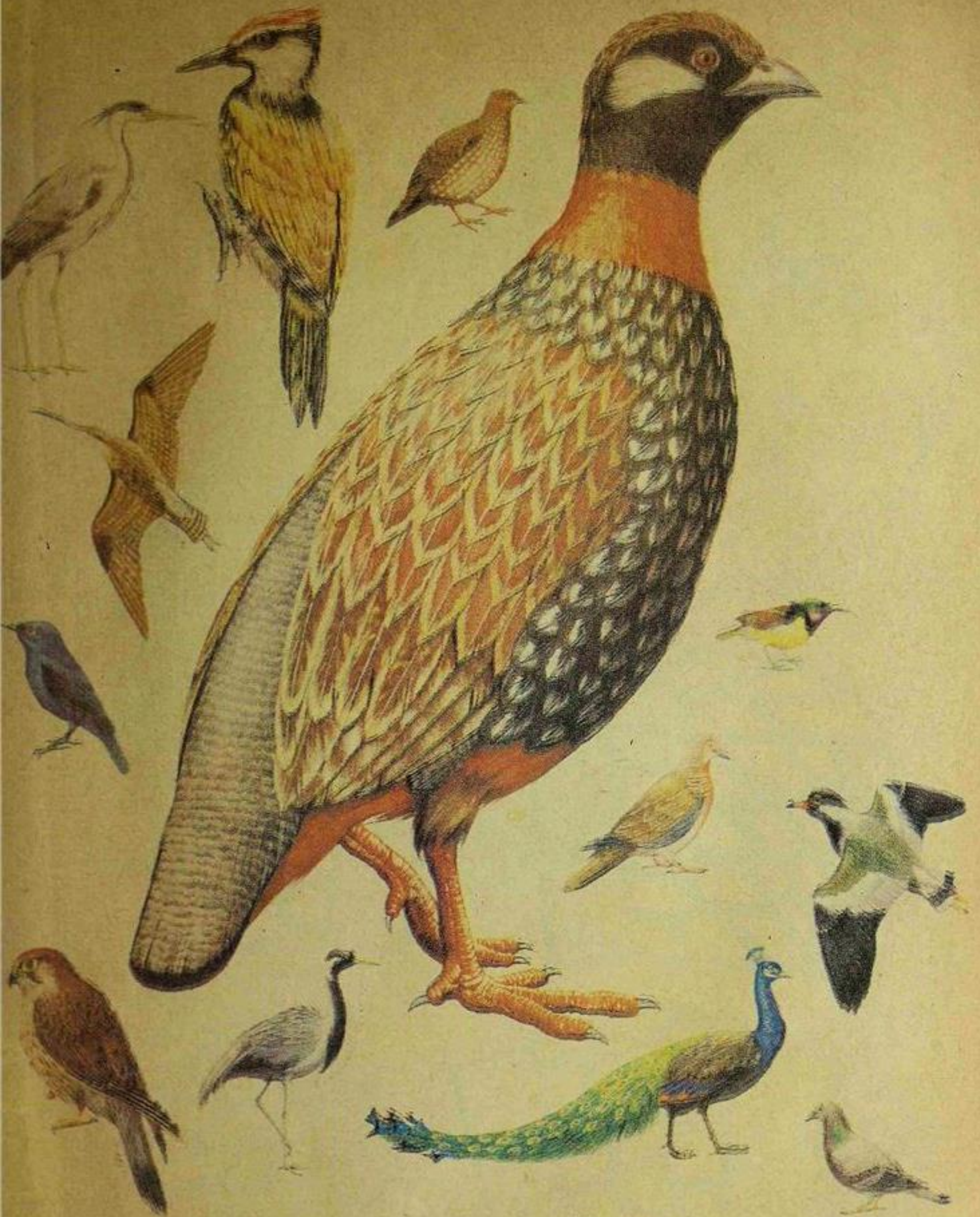
ارے پیارے پیارے بچو!
پتا ہے کیا ہے؟ ...... نہیں پتا...... اوہو! ہمارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ گزر گیا اور آپ کو پتہ ہی نہیں چلا تو سنیے جناب!
ہمارے تو نام ہی کہیں کھو گئے ہیں۔ دیکھنے میں تو ہم سارے کم و بیش ایک جیسے ہی ہیں۔ وہی ایک تیکھی سی چونچ۔ دو ٹانگیں اور دو پر۔ اڑ بھی ہم سارے ہی لیتے ہیں۔
مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پکاریں کس نام سے؟
آپ ہمارے نام ڈھونڈ لائیں نا!
ایڈیٹر صاحب کہتے ہیں جو صحیح نام بتلائے گا اس کو ایک سال تک پھول مفت ملے گا۔ انعام کیلئے کم از کم 10 نام ضرور درست ہونے چاہئیں۔
ہمارے تو نام
ہی کھو گئے!

اسلامک سمٹ مینار
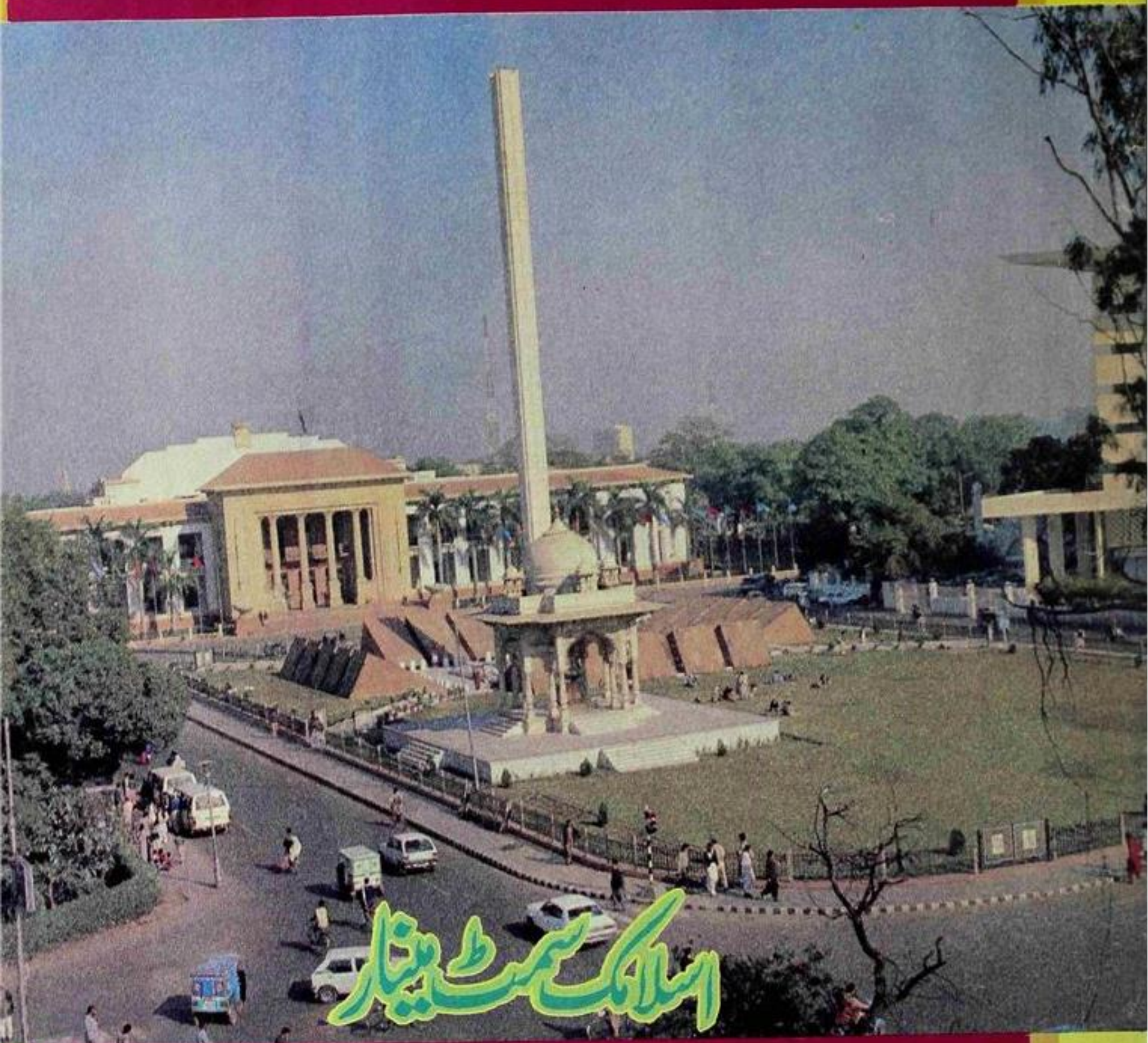
عام اسلام کے اتحاد اور اجتماعی قوت کی نشانی، یہ مینار لاہور کے فیصل چوک میں پنجاب اسمبلی ہال، واپڈا ہاؤس اور الفلاح بلڈنگ کے عین وسط میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا ڈیزائن ترکی کے ماہر تعمیرات "وحدد لوکے" نے بنایا۔

سنگ مرمر کا مینار 150 فٹ اونچا اور 5 مربع فٹ چوڑا ہے، اس کے اندر کنکریٹ اور لوہا بھرا ہوا ہے۔ مینار کے چاروں طرف خیمہ نما تختیاں ہیں۔ یہ سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہیں۔ زیر زمین چار بڑے محرابی کمرے ہیں۔ ہر محرابی کمرہ 52 مربع فٹ رقبہ پر مشتمل ہے۔ وسط میں تالاب 28 مربع فٹ رقبہ پر محیط ہے۔ اس مینار پر زلزلہ اور آندھی کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر آندھی 200 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی آئے تو اس کو نقصان نہیں پہنچتا۔ 22 فروری 1977ء کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ مینار کے احاطہ میں سونے کی تاروں سے کندہ قرآن پاک رکھا گیا ہے۔